
شیر دل خاتون
صدّیق اینڈ سنز بکسیلر گلی قاسم جان دہلی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

شیر دل خاتون

حصہ دوم

مصنفہ
شہید ملت مولانا محمد مظہر الدین

جسے
صدیق اینڈ سنز بک سیلرز نے شائع کیا
صدیق اینڈ سنز بک سیلر گلی قاسم جان
دہلی

قیمت -/۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شیر دل خاتون

(حصہ دوم)

حضرت خالد کا مسیحی سپہ سالار سے مکالمہ

یرموک کے میدان میں ایک ہنگامہ خیز معرکہ ہو چکا ہے جس میں اگرچہ مسلمانوں کی تعداد صرف بیس ہزار اور مسیحیوں کی تعداد دو لاکھ تھی۔ لیکن ہلال کا رعب صلیب پر قایم ہو گیا ہے۔ چنانچہ اول دن کی لڑائی کے بعد مسیحیوں نے قاصد بھیجکر مسلمانوں سے صلح کی درخواست کی ہے۔ باہان مسیحیوں کا سپہ سالار ہے جس نے فاقہ مست عربوں کو مرعوب کرنے کے لئے ایک نہایت شاہانہ دربار منعقد کیا ہے۔

راستہ کے دونوں طرف رومی سواروں کی صفیں کھڑی ہیں جو سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق ہیں۔ برہنہ تلواریں ہاتھوں میں ہیں اور تنے ہوئے نیزوں کی انیاں دھوپ میں چمک رہی ہیں۔ حضرت خالد رومیوں کی لشکر گاہ میں سے گئے۔ تو اس طرح تحقیر و بے پرواہی کی نگاہ ڈالتے چلتے تھے۔ گویا شیر بکریوں کے گلہ کو چیرتا ہوا چلا جاتا ہے۔

باہان کے شاندار خیمہ کے پاس پہونچے تو اس نے نہایت احترام کیساتھ استقبال کیا۔ اور لا کر اپنی برابر بٹھایا۔ مترجم کے ذریعہ گفتگو شروع ہوئی۔ باہان نے پہلے حضرت عیسیٰ

کی تعریف کی اور پھر قیصر کا نام لیا تو نہایت زور اور فخر سے کہا کہ :-

"تمہارا بادشاہ تمام بادشاہوں کا شہنشاہ ہے"

خالدؓ ۔ تمہارا بادشاہ ایسا ہی ہوگا لیکن ہم نے جسے سردار بنایا ہے اگر اس کے دل میں ایک لحظہ کے لئے بھی بادشاہی کا خیال آئے تو اسے ہم معزول کر دیں۔

باہان ۔ یہ اصول شاہی وفاداری کے خلاف ہے۔

حضرت خالدؓ ۔ لیکن خدا پرستی کے عین مطابق ہے۔

باہان ۔ بادشاہوں کی عظمت و بزرگی کو تسلیم کرنا خدا کا حکم ہے

حضرت خالدؓ ۔ ہمارے مذہب میں بادشاہوں کو بارگاہ خداوندی کا ایک ادنیٰ غلام سمجھنا عین ایمان ہے۔

باہان ۔ بادشاہ اللہ کا سایہ ہے

حضرت خالدؓ ۔ تمہارے مذہب میں ایسا ہوگا لیکن ہمارے خیال میں تو ہمارا سردار قوم کا ایک خادم اور اللہ کا ایک غلام ہے۔

باہان ۔ شاید اسی لئے عرب زیادہ گستاخ ہوتے ہیں۔

حضرت خالدؓ ۔ ممکن ہے دنیوی تاجداروں کی بارگاہوں میں عرب گستاخ ہوں لیکن شہنشاہِ حقیقی (خدا) کے سامنے وہ سب سے زیادہ مؤدب ہیں۔

اس کے بعد باہان نے یہ طرز گفتگو ترک کر دیا۔ اور ایک طویل تقریر شروع کی ۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اپنے زور خطابت سے حضرت خالد کو مرعوب کر سکے گا۔ چنانچہ اپنے جاہ و حشم اور رومی سلطنت کے شان و شوکت کا تذکرہ کر کے کہا کہ :-

"اہل عرب یعنی تمہاری قوم کے جو لوگ ہمارے ملک میں آکر آباد ہوئے ہیں ہم نے ان کے ساتھ ہمیشہ دوستانہ سلوک کیا۔ ہمارا خیال تھا۔ کہ تمام عرب ہماری مراعات کے ممنون ہوں گے لیکن توقع کے برخلاف تم ہمارے ملک پر چڑھ آئے۔ اور چاہتے ہو کہ ہم کو ہمارے وطن سے نکال دو۔ تم کو خبردار رہنا چاہئیے کہ بہت سی قومیں اس ارادہ سے بڑھیں لیکن

کبھی کامیاب نہیں ہوئیں۔ اب تم کو اس قسم کا حوصلہ ہوا ہے حالانکہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ کوئی قوم جاہل وحشی اور مفلس و قلاش نہیں ہے تاہم اس پر بھی ہم خداوند مسیح کے نام پر رحم و درگذر کرتے ہیں۔ بلکہ تم اگر یہاں سے چلے جاؤ۔ تو بطور انعام سپہ سالار کو دس ہزار دینار اور عام سپاہیوں کو سو سو دینار دینے کو تیار ہیں۔"

ماہان نے جب سپہ سالار کے لئے دس ہزار دینار دینے کا اعلان کیا تو حضرت خالدؓ کا چہرہ غور سے دیکھا۔ لیکن وہاں خلاف توقع نفرت و حقارت ٹپک رہی تھی۔ جونہی ماہان نے تقریر ختم کی حضرت خالد اٹھے۔ اور نہایت جوش و خروش مگر خضوع و خشوع کے ساتھ پہلے حمد و نعت بیان کی اور پھر فرمایا کہ:۔

"بیشک تم دولت مند ہو، صاحب حکومت ہو اور مالدار ہو۔ تم نے اپنے ہمسایہ عربوں کے ساتھ جو مراعات کیں وہ بھی ہم کو معلوم ہیں۔ یہ تمہارا احسان نہ تھا بلکہ یہ بھی مسیحی مذہب کی تبلیغ و اشاعت کی ایک تدبیر تھی۔ جس کا یہ اثر ہوا کہ عرب تمہارے مذہب میں داخل ہو گئے۔ اور آج یہ ہمارے عرب بھائی خود ہمارے مقابلہ میں تمہارے دوش بدوش ہم سے جنگ آزما ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہم مفلس محتاج و تنگدست اور خانہ بدوش تھے۔ یہ بھی سچ ہے کہ ہماری جہالت و وحشت اور ظلم و جور کا یہ حال تھا کہ قوی کمزور کو پیس ڈالتا تھا۔ اور قبائل آپس میں لڑ کر برباد ہو جاتے تھے اس میں بھی شک نہیں کہ ہم نے بہت سے خدا بنا رکھے تھے۔ ہم اپنے ہاتھ سے بت تراشتے اور ان کی پوجا کرتے تھے لیکن خدا نے ہم پر رحم کیا اور ایک پیغمبر بھیجا جو خود ہماری قوم سے تھا۔ اور ہم سے زیادہ پاکباز اور شریف فیاض اور نیک خو تھا۔ اس نے ہم کو توحید کا سبق پڑھایا اور بتا دیا کہ خدا کا کوئی شریک نہیں وہ بالکل یکتا و یگانہ ہے۔ بیوی و اولاد نہیں رکھتا۔ اس نے ہم کو یہ بھی حکم دیا کہ ہم ان عقاید حسنہ کو تمام دنیا کے سامنے پیش کریں جو ان کو تسلیم کرے وہ مسلمان

ہے اور ہمارا بھائی ہے۔ جو نہ مانے لیکن جزیہ دینا قبول کرے تو اس کے ہم محافظ ہیں اور حامی ہیں۔ اور جس کو ان دونوں سے انکار ہے تو اس کے لئے تلوار ہے۔"

حضرت خالدؓ کی زبان سے جب تلوار کا لفظ نکلا تو خود بخود ہاتھ اس کے قبضہ پر پہونچ گیا۔ مغرور باہان کو یہ جملہ اور یہ انداز نہایت شاق گذرا۔ مگر مجبور تھا۔ اور خانہ بدوش عربوں کی شجاعت سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا۔ لہذا جزیہ کا نام سنکر ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور اپنے لشکر کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ:۔

"یہ مرجائیں گے مگر جزیہ نہ دیں گے۔ ہم جزیہ لیتے ہیں دیتے نہیں۔"

حضرت خالدؓ۔ اگر اسلام قبول نہیں کرتے اور جزیہ دینا منظور نہیں۔ تو پھر اس کا فیصلہ تلوار کرے گی۔

یہ کہا اور حضرت خالدؓ واپس چلے آئے۔ آپ کے آتے ہی رومیوں میں سنسنی پھیل گئی اور وہ تمام خوشیاں ختم ہو گئیں جو صلح کے افق پر نظر آرہی تھیں۔

ملکہ قیصر کی پریشانی

انطاکیہ کے شاہی ایوان میں جوزلیفائن کو آٹھ گھنٹے گذر گئے کہ بالکل بے حس و حرکت پڑی ہے نہیں معلوم اس جملے نے کہ "وہ نہیں ہے" کیا بجلی گرادی۔ جو جوزلیفائن ایک چیخ مار کر فوراً خاموش ہوگئی۔ اور اب تک خاموش ہے۔ جوں جوں وقت گذر رہا تھا۔ ملکہ قیصر کی پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ کئی شاہی طبیب جمع تھے۔ اور جوزلیفائن کو ہوش میں لانے کی تدابیر کر رہے تھے۔ لیکن اب تک تمام تدابیر بے سود ثابت ہوئیں۔

جوزلیفائن کی بیماری کی خبر شہر میں پہلے سے مشہور تھی۔ کہ اب مرگ نما بیہوشی کی خبر بجلی کی طرح ہر گلی کوچہ میں پھیل گئی۔ بلکہ اس کے ساتھ موت کی افواہ بھی اڑ گئی۔ اس افواہ اور اس خبر سے تمام شہر میں ایک کہرام بپا ہو گیا۔ کیونکہ ہر شخص جانتا تھا کہ قیصر کی کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے۔ صرف جوزلیفائن ہی اس کی اکلوتی بیٹی ہے

یہی قیصر کی پتلیوں کی روشنی اور یہی سلطنت روم کی شمع ہے۔ پھر یہی وہ زمانہ تھا کہ عرب سلطان روم پر فیصلہ کن حملے کر رہے تھے۔ اور اس قدیم مسیحی سلطنت کا تختہ الٹنے کی فکر میں تھے۔ لہذا رومیوں کو یہ بھی فکر تھی۔ کہ عربوں سے پہلے کہیں دست قضا سلطنت کا چراغ گل نہ کر دے۔

پس اس خبر کے مشہور ہوتے ہی انطاکیہ کے اکثر باشندے امنڈ آئے اور ایوان شاہی کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ ان میں سے بعض پادریوں نے بہت ہی غم انگیز صورت بنائی تھی۔ اگرچہ دل بے حد مسرور تھے کہ جوزلیفائن کے انتقال کے بعد نقد، کپڑے اور سامان اس کثرت سے ملے گا۔ کہ وہ ہمیشہ کے لئے بے نیاز ہو جائیں گے۔

مگر قیصر کے دل پر اپنی ہمدردی کا نقش ثبت کرنے کے لئے محرم کے پیشہ ور ماتم گساروں کی طرح انھوں نے بھی ماتم و غم کا ایک روپ بھر لیا تھا۔ جب قیصر کو اس ہجوم کی خبر ہوئی۔ تو وہ بہت پریشان ہوا اور اس نے اس ماتمی اجتماع کو ایک بد شگونی خیال کیا۔ لیکن یہ مجمع دم بدم بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ قیصر بادل ناخواستہ باہر آیا اور اس نے مجمع کو منتشر کرنے کا حکم دیا۔

قیصر مجمع کو منتشر کر کے اندر گیا ہی تھا کہ ایک سوار دروازہ پر پہونچا اور اس نے ایک سر بمہر نہایت ضروری خریطہ درباریوں کو دے کر کہا کہ ابھی شوکت پناہ قیصر کی خدمت میں پیش کر دو۔

درباریوں نے ٹالنا چاہا اور جوزلیفائن کی بیہوشی کا عذر کیا لیکن سوار نے کہا کہ یہ خریطہ بہت ضروری ہے۔ فوراً پیش کر دو۔

قیصر جوزلیفائن کے سرہانے ایک کوچ پر سر جھکائے بیٹھا تھا اور پیشانی پر ہاتھ تھا کہ ایک خادمہ لفافہ لے کر حاضر ہوئی۔ اس سے قبل کہ خادمہ وہ خریطہ قیصر کی خدمت میں پیش کرے۔ ملکہ نے جو وہیں برابر بیٹھی تھی خریطہ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور انتظار کرنے لگی کہ قیصر سر اٹھائے تو وہ خریطہ پیش کرے۔

تھوڑی دیر کے بعد قیصر نے ایک آہ سرد کھینچکر سر اٹھایا ہی تھا کہ ملکہ نے وہ خریطہ یہ کہہ کر پیش کیا کہ کوئی سوار باہر سے آیا ہے اور یہ ضروری مکتوب لایا ہے۔

قیصر نے بادل ناخواستہ اسے اپنے ہاتھ میں لیا اور کاتب و مقام کا نام پڑھنا چاہا۔ جب اسے معلوم ہو گیا کہ یہ خط ضروری ہے اور یرموک کے میدان جنگ سے باہان رومی سپہ سالار نے بھیجا ہے تو خریطہ کی مہر دیکھ کر اسے چاک کیا اور نہایت غور و تردد کے ساتھ پڑھنا شروع کیا۔ ابھی خط ختم نہ ہوا تھا کہ قیصر کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ ملکہ قیصر کو دیکھ رہی تھی اور حیران تھی کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ اتنے میں قیصر کے منہ سے ایک افسوس کی دردناک صدا بلند ہوئی۔ ملکہ یہ دیکھکر گھبرائی اور وہ اٹھ کر قیصر کے پاس آنا چاہتی تھی کہ قیصر بے ہوش ہو گیا۔ اور خط ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑا۔

شاہی ایوان میں ماتم

قیصر کے بیہوش ہوتے ہی تمام ایوان شاہی ماتم کدہ بن گیا۔ اب تک جو زیقان کی طویل بیہوشی سے ہر شخص پریشان و مضطرب تھا کہ قیصر کی بیہوشی نے ہر صغیر و کبیر کو ماتم گسار بنا دیا۔ بہت سی لونڈیاں سر پیٹنے لگیں۔ اور بہت سے خدام چیخیں مار کر رونے لگے۔ لیکن ملکہ ایک مستقل مزاج اور ہوشیار خاتون تھی۔ اس نے صبر و شکیبائی کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ اور جو خط قیصر کے ہاتھ سے زمین پر گر پڑا تھا۔ اس کو اٹھا کر پڑھنے لگی۔ پڑھتے ہی فوراً سمجھ گئی کہ یرموک کی شکست نے قیصر کو دماغی صدمہ پہونچایا ہے۔ اس نے یہ محسوس کرتے ہی فوراً قیصر کو ان کی خواب گاہ میں پہنچوا دیا۔ اور عوام میں یہ اعلان کرا دیا کہ :-

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں، قیصر اچھے ہیں، رات کو بیدار رہنے کی وجہ سے دماغی تکان میں زیادہ اضافہ ہو گیا تھا۔"

اسی اثنا میں شاہی اطبا اور ڈاکٹر پہونچ گئے جنھوں نے قیصر کو ہوش میں لانے کے لئے نخلخے سنگھائے اور عرق گلاب و صندل کے منہ پر چھینٹے دینے شروع ہی

منٹ گذرے تھے کہ قیصر نے آنکھیں کھول دیں۔ اور اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا۔ کہ:-

"میں کہاں ہوں؟"

ملکہ۔ حضور والا آپ اپنی خواب گاہ میں ہیں۔ مزاج مبارک کیسا ہے؟

قیصر۔ (دردناک آواز سے) مزاج کیا پوچھتی ہو۔ نوشتہ تقدیر پوچھو۔

ملکہ۔ عالی جاہا۔ آپ اس قدر افسردہ کیوں ہیں۔ خداوند مسیح کے ایک سچے خادم کی تقدیر بُری نہیں ہو سکتی۔

قیصر۔ اگر تقدیر بری نہ ہوتی تو کیا روم کا جاہ و جلال وحشی عربوں کے قدموں میں پائمال ہو جاتا۔

ملکہ۔ میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ اس باپ کی آزمائش ہوگی کنواری مریم سے امید ہے کہ وہ اپنے پرستار کو ذلیل نہ ہونے دیگی۔

قیصر۔ عقیدہ تو میرا بھی یہی ہے۔ لیکن کیا کروں کہ دمشق، یرموک، فحل اور کئی مقامات میں لوہی جبروت و شکوہ سخت ذلیل ہو چکا ہے۔ اور پھر ذلت بھی ان عربوں کے ہاتھوں سے جو ہمارے کتوں سے بھی بدتر ہیں۔

آخری جملہ قیصر نے دانت پیس کر کہا اور غصہ کی سرخی اس کے چہرے پر دوڑ گئی۔ یہ جملہ ملکہ کو اچھا نہیں معلوم ہوا کیونکہ عربوں کے اخلاق کا وہ تجربہ کر چکی تھی۔ اور بالخصوص اپنی بیٹی جوزیفائن کے "شوقِ حسن کا سوار" کو تو وہ فراموش نہ کر سکتی تھی۔ تاہم قیصر کی ضعف طبع کا لحاظ کر کے وہ خاموش ہو گئی۔ مگر قیصر کے خون کی گرمی ابھی ٹھنڈی نہ ہوئی تھی۔ لہذا اس نے پھر کہا کہ:-

ملکہ تم خاموش کیوں ہو گئیں۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ عرب ہمارے کتوں سے بھی زیادہ ذلیل ہیں۔

ملکہ۔ (دھیمی آواز سے) لیکن میرا تجربہ اس کے برخلاف ہے۔

قیصر۔ تمہارا تجربہ کیا ہے؟

میں نے ان کو بہت خلیق منصف اور رحم دل پایا لیکن

چھاؤنی ہے۔ اس فوج میں زیادہ تر وہ سپاہی اور افسر ہیں جو حمص میں رومی فوج کے مقابل برسرپیکار تھے۔ چونکہ حمص کا محاذ جنگ فرزندان اسلام نے چھوڑ دیا ہے اور اس کی بجائے یرموک میں بہادران اسلام مصروف جہاد ہیں۔ لہذا اسلامی فوج کا ایک حصہ دمشق بھیج دیا گیا ہے۔ تاکہ اس مفتوح شہر کی یہ فوج حفاظت کرے۔ مبادا کہ یہاں عیسائی بغاوت کردیں۔

اسی چھاؤنی میں ایک خیمہ ہے جس میں ایک شمع ٹمٹما رہی ہے۔ نصف شب گذر چکی ہے۔ اور چھاؤنی کے تمام خیمے خاموش ہیں۔ لیکن اس خیمہ میں بیداری کے آثار نظر آتے ہیں۔ تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ حسین سوار اور ان کے بھائی ضرار حمص سے آکر اسی خیمہ میں اترے ہیں۔ حسین سوار تو ایک طرف بستر پر کروٹیں بدل رہے ہیں۔ اور ضرار ایک بوریئے کا مصلےٰ بچھائے نماز ادا کر رہے ہیں۔ اگرچہ ان دونوں کو آج حد سے زیادہ تکان تھی۔ کیونکہ حمص سے کئی منزلیں طے کر کے آج ہی شام کو یہاں پہونچے تھے۔ لیکن دونوں میں سے اب تک کسی کو نیند نہیں آئی۔ ایک کے متعلق تو کہا جا سکتا ہے کہ نماز کے شوق نے ان کی نیند کافور کر دی ہو لیکن خدا جانے کہ دوسرے نیند کے قصد سے لیٹے تھے۔ مگر نیند ہی نہیں آئی۔ دو تین مرتبہ وہ گھبرا کر خیمہ سے باہر آئے اور پھر جا لیٹے۔ مگر نیند حرام ہوئی۔ کچھ دیر بعد ضرار بھی نماز سے فارغ ہو گئے۔ اور جب انھیں معلوم ہوا۔ کہ پچھلا پہر شروع ہو جانے پر بھی حسین سوار کی آنکھ نہیں لگی۔ تو انھوں نے کہا۔

"خولہ! (حسین سوار کا نام) تم اب تک کیوں جاگ رہی ہو۔

خولہ۔ کیا عرض کروں۔ بہت کوشش کی لیکن نیند نہیں آتی۔

ضرار۔ کئی روز کے بعد سفر آج ختم ہوا ہے۔ اور تکان بہت زیادہ ہے۔ پھر وہ کس کا خیال ہے۔ جس نے نیند کو کافور کر دیا۔

خولہ۔ (ٹھنڈی سانس لے کر) آہ اس بدنصیب شہزادی کا خیال ہے جو روانہ ہونے سے ایک روز پیشتر حمص میں رخصت ہونے آئی تھی۔

پیشتر میں بھی آپ ہی کی طرح عربوں کو ذلیل خیال کرتی تھی۔
قیصر۔ تو کیا ہمارے خداوند مسیح کے باغی مسلمان اور تین خداؤں کی بجائے ایک خدا کے ماننے والے مسلمان تمھارے نزدیک اچھے ہیں۔؟
ملکہ۔ حضور والا عقائد کے لحاظ سے تو وہ اچھے نہیں اور واقعی ہمارے خداؤں کے دشمن ہیں۔ لیکن ان کے بظاہر اعمال و اخلاق مسیحیوں سے بہت اچھے ہیں۔
قیصر۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمھارے ایمان میں رخنے پڑ گئے ہیں۔ بڑے پوپ کی خدمت میں جا کر اپنے ایمان کو تازہ کرو۔
ملکہ۔ بعض اوقات خیال تو مجھے بھی یہی ہوتا ہے۔ لیکن خدا جانے میرے قلب پر کیا اثر پڑ گیا ہے کہ میں اسلامی خلق کے تصور کو دل سے نکالنا چاہتی ہوں۔ مگر وہ نکلتا ہی نہیں۔
قیصر۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان تمھارے دل میں گھس گیا ہے۔ اور جب تک مقدس پوپ اپنی دعاؤں سے نہ نکالیں، وہ ہرگز نہ نکلے گا۔
ملکہ۔ خداوند مسیح میری جوزیفائن کو آرام کر دے تو میں ضرور مقدس پوپ کی خدمت میں حاضر ہوں گی۔
جوزیفائن کا نام سنتے ہی قیصر کے خیالات کی دنیا یک بیک پلٹ گئی۔ اور اس نے کہا کہ ہاں یہ تو بتاؤ میری جوزیفائن کا کیا حال ہے۔؟
ملکہ۔ اب تک ویسی ہی ہیں۔
یہ سنکر قیصر اٹھا کہ جوزیفائن کے کمرے تک پہونچے۔ لیکن جوں ہی اٹھا پاؤں لڑکھڑانے لگے اور وہ پھر لیٹ گیا۔

دمشق کا ایک خیمہ

آفتاب غروب ہو گیا۔ اور ستارے کسی کی جستجو میں زمین کی طرف جھانک رہے ہیں۔ دمشق کے مشرقی دروازے کے سامنے ایک وسیع میدان میں اسلامی فوج کی

ضرار۔ وہ باتیں توحید محبت کی کر رہی تھیں۔ اور ان کی گفتگو سے اُنس کی بو آتی تھی۔ لیکن تم پر ان کا تصور اس قدر غالب کیوں ہے؟ کہ اب تک آنکھ نہیں لگی۔
خولہ۔ جب وہ مجھ سے رخصت ہو رہی تھیں تو بیحد مضطرب و پریشان تھیں۔ یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ اس فراق کے صدمے سے ان کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ لیکن جب اطمینان دلایا گیا کہ ہم بھی انطاکیہ آرہے ہیں۔ اور تم بھی انطاکیہ جا رہی ہو تو گھبراؤ نہیں جلد ملاقات ہوگی۔ اس سے ان کو کچھ سکون ہوا لیکن آج دس روز گذر گئے۔ ہم یہاں دمشق پہنچ گئے اور خبر نہیں کہ وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں۔
ضرار۔ اپنے شاہی ایوان میں ہوں گی اور اپنی والدہ کی آغوش عاطفت کے مزے لوٹ رہی ہوں گی۔
خولہ۔ آہ وہ تو ایک ایسی جانکاہ بیماری میں مبتلا ہیں کہ ہمارے بغیر ان کے لئے پھولوں کی سیج بھی کانٹوں کا بستر ہوگی۔
ضرار۔ خیر اب سو رہو تھوڑی سی رات باقی ہے۔ اور صبح اٹھ کر نماز ادا کرنی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ نماز قضا ہو جائے۔
ضرار یہ کہہ کر اپنے بستر پر چلے گئے۔ اور لیٹتے ہی سو گئے۔ لیکن حسین سوار یعنی خولہ ویسے ہی کروٹیں بدلتی رہیں۔ تا آنکہ مشرقی افق پہلے سفید ہوا۔ پھر سرخ ہو گیا۔ یہاں تک کہ جب شاہ خاور اپنے حجلۂ عروسی سے نمودار ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ "حسین سوار" کی آنکھیں اس کی شعاعوں سے بھی زیادہ سرخ تھیں۔

قاصد کا پیام

حضرت ضرار اپنے خیمہ میں تلاوت فرما رہے تھے۔ اور خولہ نماز پڑھ کر وظیفہ پڑھ رہی تھیں کہ ایک رومی قاصد ایک خط اور ایک انگشتری لئے ہوئے پہونچا۔ یہ وہ قاصد تھا جو بارہا جوزیفائن اور ملکہ کے ہمراہ جنگی معرکوں میں شریک رہا تھا۔ اور کئی مرتبہ حسین سوار کو دیکھ چکا تھا۔ یہ قاصد انطاکیہ سے روانہ ہو کر پہلے یرموک گیا۔ اور وہاں سے حسین سوار

کو تلاش کرتا ہوا دمشق پہونچا۔ یہاں کے سپاہی حسین سوار کو کم پہچانتے تھے لیکن جب قاصد نے کچھ پتہ دیا تو مسلمان سپاہی اس کو حضرت ضرار کے خیمہ میں لے آئے۔

صبح کا سہانا وقت تھا نسیم سحری کے روح پرور جھونکے حیات تازہ پیدا کر رہے تھے اور حسین سوار دروازے کے سامنے ہی وظیفہ پڑھنے میں مشغول تھے کہ قاصد سامنے سے دیکھتے ہی دہلیز پر آگیا۔ اور آتے ہی گر گیا۔ اور ایک چیخ مار کر کہا۔

"اچھے خداوند! ہماری شہزادی کی حیات تمہارے دیدار میں ہے"

حضرت ضرار نووارد کا منہ تکنے لگے حسین سوار بھی پہلے تو کچھ نہ سمجھے مگر فوراً ہی تصور جاناں نے یاد دلایا اور شہزادی کے نام نے قلب میں حرکت پیدا کی۔ لہذا حسین سوار فوراً اپنی جگہ سے اٹھے اور دہلیز کے پاس آکر نووارد سے کہا کہ کیا تم انطاکیہ سے آئے ہو۔؟

قاصد۔ جی ہاں میں انطاکیہ سے آیا ہوں اور ملکہ روم کا خط لایا ہوں۔

حسین سوار۔ ملکہ روم کے خط سے زیادہ مجھے ان کی شہزادی کے خط کا انتظار ہے۔

یہ سنکر قاصد خاموش رہا۔ مگر آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے وہ یہ سوچ رہا تھا کہ شہزادی کا حال ظاہر کروں یا نہ کروں۔

جب دیر تک جواب نہ ملا تو حسین سوار نے پھر تقاضہ کیا اور کہا کہ تم خاموش کیوں ہو گئے۔ جواب دو کہ شہزادی کا خط کیوں نہیں لائے۔؟

قاصد۔ آہ کیا عرض کروں کہ شہزادی اس قابل ہی نہ تھیں کہ خط لکھ سکیں۔

حسین سوار۔ (ذرا گھبرا کر) کیوں ان کا کیا حال تھا۔؟

قاصد۔ جب میں روانہ ہوا ہوں تو بے ہوش پڑی تھیں اور چہرہ پر مردنی چھا گئی تھی۔ اطبا ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن میری روانگی تک ہوش نہ آیا تھا۔

یہ کہہ کر قاصد زار زار رونے لگا اور کہا۔ کہ:۔

"اگر شہزادی زندہ ہیں تو آپ کے دیدار کی تمنا میں۔ اور اگر مر گئیں تو آپ کے نام پر۔"

ان الفاظ نے حسین سوار پر بے حد اثر کیا۔ اور اگرچہ انھوں نے بہت ضبط سے کام لیا۔ لیکن پھر بھی بے اختیار آنسو ٹپک پڑے۔ عجیب وقت تھا کہ ایک غم نصیب حسینہ کے لئے دو آنکھیں پُرنم تھیں۔ جن میں ایک مسلمان عرب اور دوسرا رومی قاصد تھا۔

جب قاصد کو ذرا سکون ہوا تو اس نے ملکہ کا خط حسین سوار کو دیا اور پھر یہ کہہ کر ایک سنہری انگشتری پیش کی کہ:۔

اگر میرے متعلق کچھ شبہ ہو تو دیکھئے یہ انگشتری میرے اعتماد کی سند ہے جسے آپ نے شہزادی جوزیفائن کی خوبصورت انگلیوں میں بارہا ملاحظہ فرمایا ہوگا۔

حسین سوار نے اسے ہاتھ میں لے کر بوسہ دیا۔ اور پھر غور سے دیکھ کر کہا کہ:۔

اس نقش اعتماد نے میرے دل کے زخم ہرے کر دیئے۔ خدا جانے وہ نازک حسین انگلیاں کہیں خاک میں تو نہیں مل گئیں۔ جن کا یہ انگشتری زیور تھی۔

اس کے بعد ملکہ کا خط کھول کر حسین سوار نے پڑھا۔ اس میں لکھا تھا کہ:۔

"حمص سے رخصت ہونے کے بعد میری جوزیفائن تمام راستہ آپ کا تذکرہ کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ انطاکیہ پہونچیں تو شب و روز آپ کا انتظار رہا لیکن آپ نہ آئے۔ ان کا رنج و الم بڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ کھانا پینا ترک کر دیا۔ اور ہر دم آپ ہی کا کلمہ پڑھنے لگیں۔ جب ضعف و نقاہت اور بڑھا تو غش پہ غش آنے لگے۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد ہوش آجاتا تھا۔ تو اس کی زبان سے یہی نکلتا کہ کیا وہ آگئے ہیں۔ میں نے ایک قاصد روانہ کیا۔ خیال تھا کہ آپ اسلامی فوج کے ہمراہ انطاکیہ پہنچ گئے ہوں گے۔ لیکن قاصد تلاش کر کے واپس آگیا۔ اور اس نے کہا کہ نہ یہاں اسلامی فوج آئی اور نہ آپ ملے۔ یہ سنتے ہی میری جوزیفائن

نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور وہ بے ہوش ہو گئی کئی گھنٹے گذر گئے لیکن اب تک ہوش نہیں آیا۔ اب دمشق کو قاصد روانہ کر رہی ہوں۔ اور آپ کو مذہب و خدا کا واسطہ دے کر التجا کرتی ہوں کہ آپ آئیے اور میری جوزلیفائن کو بچائیے۔"

یہ خط پڑھ کر حسین سوار پر بے حد اثر ہوا۔ جب وہ خط پڑھ رہے تھے تو آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اور جب خط ختم ہوا تو ایک سکوت کا عالم طاری تھا۔

انطاکیہ کو روانگی

دیر تک غور و فکر کے بعد حسین سوار نے سر اٹھایا تو حضرت ضرار قرآن کریم کی تلاوت ختم کر چکے تھے۔ اللہ اللہ کیا محویت تھی کہ ایک نو وارد مسافر اور حسین سوار کے تردد اور پریشانی کی طرف اس وقت تک توجہ نہ کی جب تک کہ قرآن کریم کی تلاوت ختم نہ کر لی۔

اس کے بعد حضرت ضرار حسین سوار کے پاس آئے اور نو وارد مسافر سے نہایت ہی اخلاق کے ساتھ ملے۔ اگرچہ اس کا لباس مسیحیوں کا تھا۔ مگر احترام میں کوئی کمی نہ کی۔ حسین سوار نے ملکہ روم کا خط دکھایا۔ اور باقی تمام حالات بیان کئے۔ حضرت ضرار نے کچھ غور کے بعد کہا کہ:۔

"آپ کو بلایا ہے کیا قصد ہے"؟

حسین سوار۔ جب سے ہم میدان جہاد میں نکلے ہیں۔ اس وقت سے ہمارے تمام اوقات کا مالک خدا ہے۔ اگر ہم انطاکیہ گئے تو کہیں حقوق الٰہی میں تو خیانت نہ ہوگی۔

ضرار۔ اگر انطاکیہ جانے سے کوئی نیک کام انجام پا سکتا ہے۔ تو یہ بھی خدا کی اطاعت اور اسلامی حکم کے عین مطابق ہے۔ ہاں اگر نفسانی خواہش کو پورا کرنے کے لئے جاؤ تو حقوق الٰہی میں خیانت ہے۔

حسین سوار ۔ ان کو جانے میں بظاہر کوئی اسلامی خدمت تو نظر نہیں آتی۔ بلکہ ایک مسیحی ملکہ بلا رہی ہے اور اس کے حکم کی تعمیل ہے۔

ضرار ۔ لیکن اگر آپ کے جانے سے مسیحی جوزلیقائن کی جان بچ جائے۔ تو کیا یہ نیک کام نہیں ۔ اور اگر اس کے بعد وہ مسلمانوں کے اخلاق کو دیکھ کر مشرف بہ اسلام ہو جائے تو کیا اسلام کی یہ عظیم الشان خدمت نہ ہوگی ۔؟

حسین سوار ۔ یہ آپ نے درست فرمایا۔ میرا ذہن اس طرف متوجہ ہی نہ ہوا تھا۔ اگرچہ جوزلیقائن کی یاد مجھے تڑپا رہی تھی اور بار بار دل و جگر میں نشتر سے چبھتے تھے لیکن مذہبی حیثیت سے مجھے اطمینان نہ تھا۔ اب آپ کے ارشاد سے بالکل اطمینان ہو گیا لیکن ایک خدشہ باقی ہے ۔

ضرار ۔ وہ بھی بیان کیجئے ۔

حسین سوار ۔ ہم اس وقت میدان جہاد میں ہیں ۔ اور ہم کوئی نقل و حرکت امیر لشکر کے بغیر حکم نہیں کر سکتے ۔

ضرار ۔ یہ کیا مشکل ہے ۔ ابھی امیر لشکر کی خدمت میں حاضر ہو کر اجازت حاصل کر لیں گے ۔

حسین سوار ۔ اچھا اگر یہ واقعی نیک کام ہے ۔ جیسا کہ آپ کے فرمانے سے یقین ہو گیا۔ تو پھر آپ بھی میرے ہمراہ تشریف لے چلیں ۔ بہرحال نیک کام کی شرکت بھی ثواب ہے ۔

ضرار ۔ ملکہ نے آپ کو بلایا ہے ۔ اور جوزلیقائن آپ ہی کے ہجر میں قریب المرگ ہے ۔ لہذا آپ کا جانا ہی مناسب و موجب ثواب ہے ۔

حسین سوار ۔ لیکن ایک ثواب کے کام میں مدد کرنا کیا ثواب نہیں ہے ۔ مزید براں اس ہم سفر میں آپ کی رفاقت کی ضرورت بھی ہے ۔ پھر ملکہ و قیصر پر یہ اثر پڑے گا کہ مسلمان کس قدر خوش اخلاق ہیں ۔ اور کیسے ہمدرد بنی نوع انسان ہیں۔ کہ ایک کو بلایا تھا اور دو آن موجود ہوئے ۔

ضرار ۔ (کچھ غور کر کے) بیشک یہ صحیح ہے اور رفاقت کے لئے میں حاضر ہوں ۔
اس کے بعد یہ دونوں سعید ہیتاں امیر لشکر کے پاس گئیں اور تمام حالات بیان کئے ۔ امیر لشکر نے بلا تامل اجازت دیدی اور کہا کہ :۔
اگرچہ قیصر ہم سے برسر جنگ ہے لیکن اگر اس کی اکلوتی بیٹی موت کے پنجے سے واپس آ سکتی ہے ۔ تو اس نیک غرض کے لئے خطرات سفر برداشت کر کے بھی ضرور وہاں پہونچنا چاہیئے ۔ اجازت ملنے کے بعد یہ دونوں بھائی بہن امیر لشکر اور دیگر احباب سے رخصت ہوئے ۔ اور صبح ہوتے ہی رومی قاصد کے ہمراہ انطاکیہ روانہ ہو گئے ۔

رومی قاصد بھی عربوں کے متعلق یہی خیال رکھتا تھا ۔ جو عام طور پر رومیوں اور قیصر کا تھا ۔ کیونکہ کچھ عرصہ سے پادریوں کا یہ پروپگنڈہ نہایت شدت کے ساتھ جاری تھا ۔ کہ عرب نہایت خونخوار و جاہل ہیں ۔ دنیا میں ان سے زیادہ کوئی قوم ظالم و جابر نہیں ۔ یہ جہاں جاتے ہیں قتل عام سے خون کی ندیاں بہا دیتے ہیں ۔ اور تمام ملک تاراج و برباد کر دیتے ہیں ۔

رومی قاصد کے کانوں میں بھی یہی آوازیں گونج رہی تھیں ۔ جو بار بار اس نے تمام کلیساؤں میں مسیحی رہنماؤں سے سنی تھیں لیکن جب اس نے اسلامی لشکر میں آکر مسلمانوں کے اخلاق و تواضع کا امتحان کیا تو وہ بہت حیران ہوا ۔ بالخصوص حضرت ضرار اور حسین سوار کے اس سلوک سے تو بہت ہی متاثر ہوا جو راستہ میں اس کے ساتھ کیا گیا ۔ یہ دونوں قاصد کو ساتھ ہی کھلاتے اور ساتھ ہی پلاتے نیز جہاں خود سوتے وہیں اس کو بھی سلاتے اور جہاں خود بیٹھتے وہیں اس کو بھی بٹھاتے ۔ یہ بعض اوقات جھجکتا ۔ مگر یہ دونوں اس کو مساویانہ طریق پر رہنے کے لئے مجبور کرتے تھے ۔

اس کی نگاہوں میں قیصر کا معبودانہ طریق ۔ رومی امراء کا متکبرانہ طرز ۔ اور مسیحی رہنماؤں کا خداوندانہ رویہ سمایا ہوا تھا ۔ اور اس سے کہیں زیادہ یہ مسلمان امراء

وشرفاء کو نخوت وغرور کا دیوتا خیال کرتا تھا۔ لیکن جب اس نے مسلمانوں کی انکساری وتواضع اور مساوات وہمدردی کو دیکھا تو حیران رہ گیا۔

ایک مرتبہ راستہ میں وہ بیمار ہوگیا۔ تو ضرار وجبین سوار نے اس کی اس قدر خدمت کی کہ گویا یہ دونوں خادم اور وہ سردار ہے۔ گاہ گاہ اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ شاید ملکہ وقیصر کا قاصد ہونے کی وجہ سے میری یہ مدارات ہورہی ہے لیکن پھر اس نے سوچا کہ خود غرضوں کی نبت چھپی نہیں۔ بلکہ فوراً ظاہر ہوجاتی ہے۔ لہٰذا اس کو یقین ہوگیا کہ اگر تمام عرب ایسے ہی ہیں۔ تو یہ انسان نہیں بلکہ فرشتے ہیں۔ اور اس نے اپنے دل میں یہ طے کرلیا۔ کہ وہ قیصر اور ملکہ کی خدمت میں یہ عرض کرے گا۔ کہ وہ جنگ بند کردیں کیونکہ فرشتوں سے جنگ کرکے کوئی نہیں جیت سکتا۔

رومیوں کا جنگی جوش

باہان رومی سپہ سالار سے گفتگوئے صلح ناکام رہی۔ اور حضرت خالد اپنی فوج میں واپس آگئے۔ رومیوں کو اپنی تعداد پر ناز تھا اور اپنے اسلحہ وساز وسامان حرب پر بہت مغرور تھے۔ یہ لوگ دو لاکھ سے کم نہ تھے اور مسلمان صرف تیس پینتیس ہزار تھے۔ پھر رومیوں کی فوج تازہ دم تھی۔ اور مسلمان ایک عرصہ سے غیر ملک میں جنگ کرتے کرتے خستہ ودرماندہ ہوگئے تھے۔ یہی وہ اسباب تھے جن کی بنا پر رومیوں نے حضرت خالد کی شرائط کو ٹھکرا دیا جب حضرت خالد چلے آئے۔ تو باہان نے رومی سرداروں کو جمع کیا اور ایک جوش انگیز تقریر کی۔

اس نے سرداروں سے کہا کہ :۔

"ان جاہل عربوں کا دعوٰی ہے کہ جب تک تم ان کی رعایا نہ بن جاؤ گے ان کے حملے سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ پس کیا تم کو ان کی غلامی منظور ہے؟"

یہ سنکر تمام افسران نے نہایت جوش وخروش سے جواب دیا۔ کہ:۔

"ہم مرجائیں گے۔ مگر یہ ذلت گوارا نہیں کر سکتے"۔
اس پر باہان نے پھر کہا کہ:۔
"دوسری شرط ان کی یہ ہے کہ تم ان کا مذہب قبول کر لو تو ان کی تلواروں سے محفوظ رہو گے۔ پس کیا تم اس قدر بزدل ہو کہ خداوند خدا کے اکلوتے بیٹے کے دین کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے"۔؟
اس پر بھی پہلے سے زیادہ جوش وخروش کے ساتھ افسروں نے جواب دیا کہ:۔
"ہم مر جائیں گے لیکن یہ ذلت گوارا نہ کریں گے"
ان جوابات کے بعد باہان نے ایک اور پُرجوش تقریر کی جس میں کہا کہ:۔
"مجھے رومی بہادروں سے یہی امید تھی۔ نیزے سنبھال لو۔ اور تلواریں سونت لو۔ اب وقت آگیا ہے کہ رومی بہادر اپنی شجاعت و لیاقت کا سکہ تمام دنیا پر جما دیں۔ اور یہ ثابت کر دیں کہ وحشی عرب شام کی مقدس سرزمین کو ناپاک نہیں کر سکتے"!
اس کے بعد رومی سپہ سالار نے حلف اٹھایا کہ وہ تمام رات اپنے سپاہیوں میں گشت کرے گا اور ہر سپاہی کو آمادہ کرے گا کہ وہ اپنے وطن اور ملک پر کٹ مرے۔ لیکن عربوں کے مقابلہ میں منہ نہ موڑے۔
چنانچہ سردار نے رومی لشکر میں گشت لگایا۔ اور تمام سپاہیوں کو صبر آزما جنگ کے لئے تیار کیا۔ سرداروں کو رخصت کرنے کے بعد باہان نے پادریوں اور مذہبی پیشواؤں کو بلایا۔ اور ان سب کے سامنے حضرت خالدؓ کی شرائط پیش کیں نیز کہا کہ:۔
میں نے ان ذلت آمیز شرائط کے متعلق کہہ دیا ہے کہ ان کا جواب ہماری تلوار دے گی۔ اس پر مذہبی پیشوا بہت خوش ہوئے اور کہا کہ آپ نے بالکل سچ فرمایا۔ ہم اور عربوں کی غلامی قبول کریں؟ یہ ذلت رومی قوم ہرگز گوارا نہیں کر سکتی"۔
حضرت خالدؓ کی شرائط کو سنکر رومی پیشوا بھی جوش سے بیخود ہو گئے اور ان سب نے صلیب ہاتھ میں لے کر قسم کھائی کہ ہم ہر سپاہی کے سر پر صلیب رکھ کر یہ حلف

لیں گے کہ وہ مر جلئے لیکن قدم پیچھے نہ ہٹائیے۔

چنانچہ تمام شب مذہبی پیشواؤں نے حلقہ تقسیم کرکے فوج میں گشت کیا۔ اور سپاہیوں میں جنگ کی ایک نئی روح پھونک دی۔ یہاں تک کہ رومی فوج کی تمام شب جنگی اور جہادی وعظ کے نغموں میں لبسر ہوئی۔ ایک طرف فوج کے سپہ سالار سپاہیوں کو برانگیختہ کر رہے تھے اور دوسری طرف مذہبی پیشوا اپنی صلیبیں لیے یوحنا کا جنگی وعظ سنا رہے تھے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ تمام رومی فوج میں آگ لگ گئی۔ اور غیظ و غضب سے سپاہیوں کے چہرے سرخ ہو گئے۔

غازیان اسلام کا رجز

حضرت خالد کو یہ سب خبریں پہونچ رہی تھیں، اور انھیں معلوم ہو گیا تھا کہ کل صبح رومیوں کا ایک زبردست حملہ ہوگا۔ حضرت خالد نے صبح ہوتے ہی نئے طور سے صف آرائی کی۔ آپ نے اسلامی فوج کو ۳۶ حصوں میں تقسیم کیا۔ اور آگے پیچھے نہایت ترتیب کے ساتھ ان کی صفیں قائم کیں۔ قلب فوج ابوعبیدہ کو دیا میمنہ پر عمرو بن العاص اور شرجیل کو مقرر فرمایا۔ اور میسرہ کی کمان یزید بن ابی سفیان کے سپرد کی۔ ان کے علاوہ ہر صف پر الگ الگ افسر متعین کئے۔ اور یہ سب وہ منتخب بہادر تھے، جو گذشتہ جنگوں میں نمایاں خدمات انجام دے چکے تھے۔ اور فنون جنگ میں شہرت عام رکھتے تھے۔ خطباء جو اپنے زور کلام سے تہلکہ ڈال دیتے تھے اس خدمت پر مامور ہوئے کہ سپاہیوں کو جوش دلائیں اور فوج کے سامنے تقریر کریں۔ ان میں ابوسفیان بھی تھے جو فوجوں کے آگے یہ الفاظ کہتے پھرتے تھے۔

"الا انکم ذادۃ العرب وانصار الاسلام وانھم ذادۃ الروم وانصار الشرک۔ اللھم ان ھذا الیوم من ایام اللہ۔ اللھم انزل نصرک علیٰ عبادک۔

ترجمہ:۔ خبردار رہو کہ تم عرب ہو اور اسلام کے مددگار ہو۔ وہ رومی ہیں اور شرک

کے مددگار رہیں۔ اے اللہ میرے خاص دنوں میں سے ایک دن یہ ہے۔ اے اللہ تو اپنے بندوں پر اپنی مدد نازل فرما۔

عمرو بن العاص ایک ایک صف کے سامنے جاتے اور فرماتے۔

ایہا الناس تمطوا نظارکم واشرعوا الرماح الزموا مراکزکم فاذا هم عبل وکم فاصلوهم حتی اذا رکبوا اطراف الاسنة فثبوا فی وجوههم وثوب الاسد

ترجمہ:۔ بہادرو! نگاہیں نیچی رکھو۔ نیزے تان لو اور اپنی جگہ جمے رہو۔ جب دشمن حملہ کریں تو آگے آنے دو۔ یہاں تک کہ جب نیزوں کی نوک پر آجائیں تو ان پر شیر کی طرح ٹوٹ پڑو۔

حضرت مقدادؓ نہایت خوش الحان تھے۔ اور آواز نہایت دردناک تھی۔ یہ فوج کے سامنے سورہ انفال کی آیتیں پڑھتے پھرتے تھے۔ کہیں شروع کی وہ آیتیں پڑھتے۔ جن میں اللہ ورسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ کہیں ان آیات کی تلاوت فرماتے جن میں مومنین کے خصائص وعلائم بیان کئے ہیں۔ کہیں وہ آیات پڑھتے جن میں مسلمانوں کی شجاعت کا حال بیان کیا ہے۔ اور کہیں ان آیات سے جوش دلاتے۔ جو جنگ بدر میں نازل ہوئی تھیں۔ حتیٰ کہ ایک مقام پر یہ آیات پڑھیں۔

اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملئکة مردفین وما جعل اللہ الا بشری لکم ولتطمئن به قلوبکم وما النصر الا من عند اللہ ان اللہ عزیز حکیم ۵

ترجمہ:۔ جب تم اپنے خدا کو پکار رہے تھے تو اللہ نے تمہاری دعا قبول کی۔ کہ ایک ہزار تعداد میں سے تمہاری مدد کی جو تمہارے دوش بدوش اعدائے اسلام سے لڑنے تھے۔ اس امداد کو تمہارے لئے بشارت بنایا اور تمہارے دلوں کو مطمئن کر دیا۔ نہیں ہے فتح مگر اللہ کے نزدیک یقیناً اللہ غالب ہے اور حکمت والا ہے۔

جب یہ آیتیں پڑھی گئیں تو غازیان اسلام چیخ اٹھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ حضرت خالد بھی گھوڑا کودا کر سامنے آئے اور ایک پرجوش تقریر کی۔ آپ نے فرمایا کہ:۔

"بہادرو! ہم یہاں اسلام کا جھنڈا ہاتھوں میں لے کر آئے ہیں۔ اور دیکھو فضا میں توحید کا علم وہ لہرا رہا ہے۔ پس جب تک کہ رومی کلیسا میں اللہ اکبر کی صدا بلند نہ ہوگی۔ اور شاہی قصر پر یہ جھنڈا نہ گاڑا جائے گا۔ ہم مر جائیں گے مگر اس ملک سے واپس نہ ہوں گے۔

بیشک غنیم کی تعداد زیادہ ہے اور سامان جنگ کی بھی کثرت ہے لیکن خدا کی قوت تمہارے ساتھ ہے اور یہی طاقت سب پر غالب ہے۔ بدر میں تم کمزور تھے حنین میں تمہاری تعداد کم تھی۔ اور احد میں بھی تم کمزور و حقیر سمجھے جاتے تھے لیکن خدا کی فتح تم پر نازل ہوئی اور اس کی نصرت کے بادلوں نے تمہیں ڈھانپ لیا۔ وہی خدا آج بھی زندہ ہے اور اپنی نصرت و امداد کا ہاتھ تمہاری طرف بڑھا رہا ہے۔

خدا کے بندو! تم یہاں رومی خزانوں کو لوٹنے نہیں آئے نہ روم کے سبزہ زاروں نے تمہیں بلایا ہے۔ اور نہ روم کے مال و دولت کی تمنا تمہارے قلوب میں ہے۔ تم تو اس ملک کو شرک کی لعنت سے پاک کرنے اور پادریوں کے انسانیت سوز مظالم سے نجات دلانے کے لئے اپنے گھروں سے نکلے ہو پس اس وقت تک اپنے گھروں کو واپس نہ ہو جب تک کہ خدا اور اس کے نبیوں کی سرزمین شرک کی نجاست اور انسانی معبودیت سے پاک نہ ہو جائے۔

سنتی بھیڑیں شیروں کو چھیڑنا چاہتی ہیں۔ اور رومی لومڑیاں مست ہاتھیوں سے پنجہ آزمائی کے لئے آگے بڑھی ہیں۔ بہادرو! خوش ہو کہ شکار خود صیاد کی طرف آرہا ہے۔ اور تمہارے غنیم کی

آغوش میں آرام کرنے کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ تلواریں سنبھال لو اور نیزے تان لو کہ اب وہ بھی دشمنوں کا خون پینے کیلئے بیقرار ہیں"۔
اس پر بار بار اللہ اکبر کے نعرے بلند ہوئے۔ سوار اور پیادے جوش جہاد سے جھومنے لگے۔ یہاں تک کہ ہر غازی دشمن پر ٹوٹ پڑنے کے لئے بہت زیادہ بے قرار تھا۔

اسلامی فوج کی تعداد اگرچہ کم تھی لیکن تمام عرب میں انتخاب تھی۔ ان میں ایک ہزار وہ بزرگ تھے جنھوں نے رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال مبارک اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور جو جنگ بدر میں آپ کے ہمرکاب تھے۔ عرب کے مشہور و بہادر قبائل میں سے دس ہزار صرف قبیلہ آزد کے تھے۔ حمیر کی ایک کثیر جماعت تھی۔ ہمدان۔ خولان۔ لخم اور عیلان کے مشہور سردار تھے۔ اس معرکہ کی ایک یہ بھی خصوصیت تھی۔ کہ خواتین بھی شریک جہاد تھیں۔ حضرت امیر معاویہ کی بہن نے بڑی شجاعت و جوانمردی سے جنگ کی۔ گو حضرت امیر معاویہ کی بہن بوڑھی تھیں۔ لیکن میدان جنگ میں بجلی کی طرح پھر رہی تھیں۔ اور مجاہدین اسلام کو یہ کہہ کر جوش دلا رہی تھیں۔
"تم اپنے نیزوں کو دانتوں سے پکڑ لو اور دشمنوں کو قتل کر کے جہنم میں پہونچا دو"۔

انطاکیہ میں چاند کا طلوع

آفتاب غروب ہو گیا تھا۔ اور اس نے رات کے خوفناک دیو زادوں سے شکست کھا کر اپنی تیز شعاعوں کے سنہرے نیزوں کو افق میں چھپا دیا تھا۔ مغربی افق کی دلہن (شفق) نے سیاہ نقاب چہرہ پر ڈال لیا تھا۔ اور تاریکی کرہ عالم پر مسلط ہو گئی تھی۔ کہ جوزلیفائن کی امیدوں کا چاند انطاکیہ کی سرزمین میں طلوع ہوا یعنی رشک قمر حسین سوار مع اپنے دو رفقاء کے انطاکیہ پہونچ گیا۔

انطاکیہ سے پانچ میل کے فاصلہ پر میدان العنت کے ان دشت پیماؤں کی منزل ختم ہو گئی تھی لیکن حسین سوار جوز لیفائن کی حالت معلوم کرنے کے لئے مضطرب و بیقرار تھا۔ لہذا انھوں نے اسی وقت انطاکیہ میں داخل ہونے کا عزم کر لیا۔ شہر پناہ کے دروازے بند ہو چکے تھے لیکن رومی قاصد کی سعی سے کھول دئیے گئے۔ اور دمشق کے یہ تینوں مسافر سیدھے شاہی قصر کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب قیصر و ملکہ کو حسین سوار اور رومی قاصد کے آنے کی اطلاع ہوئی۔ تو شب کے نو بجے تھے۔ ملکہ یہ سنتے ہی کہ وہ آ گئے جن کی تلاش تھی۔ فوراً سجدہ میں گر گئی۔ اور خداوند مسیح کا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا کہ :۔

"میری بیمار کا مسیحا آ گیا"

حسین سوار و حضرت ضرار کو ایک کمرہ میں بٹھایا گیا۔ یہ لوگ ابھی اطمینان سے بیٹھے بھی نہ تھے کہ قیصر و ملکہ نے انھیں طلب کیا۔ جب حسین سوار پہونچا تو قیصر ایک بیش قیمت کوچ پر بیٹھے تھے اور ملکہ ان کے بائیں ہاتھ پر دوسری کوچ پر تھیں۔ کمرہ تیز روشنی سے بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ قیصر نے حسین سوار کو نہایت غور سے دیکھا۔ چونکہ یہ ایک کمسن نوجوان تھے اور ان کی بسالت اور شجاعت کے متعدد واقعات قیصر کے گوش گذار ہو چکے تھے۔ لہذا اس کے حیرت و استعجاب کی کوئی انتہا نہ رہی تھی۔ قیصر کا سینہ تو اس وقت گوناگوں خیالات کی آماجگاہ تھا۔ لہذا وہ تو کچھ عرصہ تک خاموش رہا لیکن ملکہ نے حسین سوار اور حضرت ضرار کو اپنے پاس بٹھانے کے بعد سلسلۂ کلام اس طرح شروع کیا۔

ملکہ ۔ آپ کو انطاکیہ آنے میں صعوبت سفر برداشت کرنی پڑی۔ یہ آپ کا احسان عظیم ہے۔

حسین سوار ۔ یہ کوئی احسان نہیں۔ یہاں آنا میرا فرض تھا۔

ملکہ ۔ یہ آپ کا حسنِ اخلاق ہے ورنہ ایک غیر مذہب مریضہ کی خاطر اتنی تکلیف برداشت کرنا یقیناً زحمت و صعوبت ہے۔

حسین سوار۔ جب ہم کسی غیر مذہب سے کوئی پیمان مودت یا علاقہ یگانگت قائم کر لیں تو پھر اس کی راحت وفلاح عین ہماری راحت وفلاح ہے۔

ملکہ۔ میں آپ کی مہربانیوں اور کرمفرمائیوں کا کئی بار عین میدان جنگ میں بھی امتحان کر چکی ہوں تاہم یہ خیال تھا کہ شاید اب آپ بھول گئے ہوں۔

حسین سوار۔ کوئی مسلمان نقش وفا کو نہیں بھول سکتا۔

یہ سنکر قیصر سے بھی نہ رہا گیا اور اس نے کہا کہ:۔

کیا ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ہے اور یہی اس کا طرز عمل ہے۔؟

حسین سوار۔ حضور والا جو کچھ میں نے عرض کیا اس کا ایک ایک حرف صحیح ہے۔ اور جناب جب چاہیں اس کا امتحان کر سکتے ہیں۔

قیصر۔ بہت اچھا اسے یاد رکھئے۔ امتحان کا وقت آئے گا قیصر یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔ لیکن حسین سوار جوزلیفائن کی حالت معلوم کرنے کے لئے بیقرار تھا۔ مگر اس خیال سے کہ کہیں قیصر کو کوئی شبہ نہ ہو خاموش تھا۔ اور اس کا منتظر تھا کہ شاید ملکہ ہی کچھ بیان کرے لیکن جب دیر ہو گئی تو پھر حسین سوار سے ضبط نہ ہو سکا اور دریافت کیا کہ:۔

"جوزلیفائن کیسی ہیں"؟

ملکہ نے ایک آہ سرد کھینچی اور یہ کہہ کر چلی گئیں کہ:۔

"ابھی آکر بتاتی ہوں کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک کیسی ہے"!

ملاقات

ملکہ جوزلیفائن کے کمرے میں پہونچیں تو وہ اس وقت بے ہوش تھی لیکن اب اس کی حالت میں اتنا فرق ہو گیا ہے کہ گاہ گاہ وہ آنکھیں کھول دیتی تھی۔ اور اشاروں یا لبوں کی حرکت سے کچھ باتیں بھی کر لیتی تھی۔ مگر اتفاق سے جب ملکہ پہونچی تو اس پر ضعف ونقاہت کی وجہ سے ایک قسم کی بے ہوشی طاری تھی۔ اور

آنکھیں بند کئے پڑی تھی۔ ملکہ نے سرہانے کھڑے ہو کر کہا کہ:۔

"آنکھیں کھولو وہ آتے ہیں"

جوزلیفائن کی طرف سے کچھ جواب نہ ملا۔ اس کے بعد ملکہ نے جوزلیفائن کے تلوے سہلائے اور سر کو ہل کر کہا کہ:۔

پیاری جوزلیفائن حسین سوار آ گئے

خدا جانے حسین سوار کے لفظ میں کیا کشش تھی کہ جوزلیفائن نے آنکھیں کھول دیں۔ اور نہایت آہستہ سے کہا کہ:۔

کیا حسین سوار آ گئے۔؟

ملکہ۔ ہاں حسین سوار آ گئے۔ اور دوسرے کمرہ میں موجود ہیں۔

جوزلیفائن نے اٹھنے کی سعی کی لیکن اتنی طاقت کہاں تھی۔

ملکہ اس حرکت کا مدعا سمجھ گئی۔ اور فوراً یہ کہہ کر باہر آئی کہ:۔

"میں حسین سوار کو یہیں بلاتی ہوں"

یہی عجیب وقت تھا کہ جوزلیفائن جس کو حسین سوار کے زخمی ہونے کے بعد علم نہ تھا کہ وہ کیسے ہیں اور ان شدید زخموں سے جانبر بھی ہوئے یا نہیں اسے یک بیک حسین سوار کی آمد کا مژدہ جانفزا سنا اور اب وہ اس کی منتظر تھی کہ ان کے جمال جہاں افروز سے مشرف ہو گی۔ اس کی آنکھیں دروازہ کی طرف لگی ہوئی تھیں اور بار بار اسے شبہ ہوتا تھا کہ وہ آ گئے۔ یہاں تک کہ یہ چند لمحے اس کے لئے قیامت کی چند گھڑیاں تھیں۔ آخر کار پردہ اٹھا اور ملکہ و حسین سوار جوزلیفائن کے کمرے میں داخل ہو گئے۔

جوزلیفائن نے حسین سوار کو دیکھتے ہی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر سلام کیا اور استقبال کے لئے اٹھنا چاہا۔ لیکن تلملا کر رہ گئی۔ اتنے میں ملکہ اور حسین سوار بھی نہایت عجلت کے ساتھ جوزلیفائن کے قریب پہونچ گئے۔

اس عجلت میں حسین سوار نے نہ جوزلیفائن کے سلام کا اشارہ سمجھا اور نہ

جواب دیا۔ جب حسین سوار قریب پہونچا۔ تو جوزلیفائن نے ایک خاص ادا سے کہا کہ:۔
"کیا بھول گئے؟"

حسین سوار۔ اگر جسم اپنی جان کو بھول سکتا ہے۔ تو میں بھی تمہیں بھول سکتا ہوں۔

جب یہ گفتگو شروع ہوئی تو ملکہ یہاں سے ٹل گئی۔ اور اب جوزلیفائن نے نہایت آزادی سے کہا کہ:۔

جان تو جسم سے علیحدہ نہیں رہ سکتی۔ پھر آپ اتنے عرصہ تک کہاں رہے۔؟

حسین سوار۔ آپ کے دل کے قریب بلکہ اس کے اندر۔

جوزلیفائن۔ میں نے تو خانہ دل میں بارہا ڈھونڈا مگر اس سے پہلے آپ نہ ملے۔

حسین سوار۔ آپ کی تلاش و جستجو ناقص ہوگی۔

جوزلیفائن۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ آپ کسی اور کے دل میں ہوں اور اسے میرا دل سمجھ لیا ہو۔

حسین سوار۔ یہ آپ کا حسن ظن ہے۔ جو چاہو تہمت رکھو لیکن میں تو آپ ہی کے دل میں موجود تھا۔

جوزلیفائن۔ اس کا گواہ کون ہے؟

حسین سوار۔ خود آپ اور آپ کا دل۔ اس سے پوچھئے کہ میں اس گھر کا خوش قسمت مکیں ہوں یا نہیں۔؟

جوزلیفائن۔ (مسکرا کر) یہ تو میں جانتی ہوں کہ آپ ایک ساحر ہیں اور اس لئے اپنی سحر آفریں نگاہوں سے آپ نے میرے دل کو بھی اپنا بنا لیا ہے۔ لہٰذا اب وہ میرا دل نہیں بلکہ آپ کا ہے۔

حسین سوار۔ جب میدان جنگ میں آپ کے سامنے اسلحہ رکھ چکا ہوں تو یہاں کس طرح جیت سکتا ہوں۔ لیکن یہ تو فرمایئے کہ یہ منطق آپ نے کہاں پڑھی ہے

جوزلیفائن۔ آپ کی محبت کی درسگاہ اور آپ کے حسن خداداد کی روشنی میں۔

جوں جوں وقت گذرتا جاتا تھا۔ جوزیفائن کے چہرے پر رونق آتی جاتی تھی۔ یہاں تک کو شروع میں اس کی آواز نہایت پست تھی لیکن اب اس میں بھی بلندی اور شیرینی پیدا ہو گئی۔

خدا جانے حسین سوار کے چہرے میں کیا جادو اور اس کی گفتگو میں کیا سحر تھا۔ کہ تھوڑی دیر میں جوزیفائن کی حالت میں غیر معمولی تغیر پیدا ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ ملکہ نے جب پردہ سے جھانکا تو یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئی کہ جوزیفائن کے چہرے پر نہ پہلی سی زردی ہے اور نہ وہ نقاہت ہے۔ بلکہ مسکرا کر اچھی خاصی حالت میں باتیں کر رہی ہے۔

یہ وقت اگرچہ دخیل ہونے کا نہ تھا۔ لیکن ملکہ جوزیفائن میں غیر معمولی تغیر دیکھ کر اس قدر خوش ہوئی کہ وہ فوراً ہی قیصر کے پاس پہونچی۔ جو قریب ہی ایک دوسرے کمرے میں حضرت ضرار سے باتیں کر رہے تھے۔ ملکہ نے قیصر کو یہ خوشخبری سنائی۔ کہ چلئے اپنی نیم جان جوزیفائن کو دیکھ لیجئے کہ عرب کے مسیحا نے کس قدر جلد اچھا کر دیا

قیصر اور ملکہ دونوں جوزیفائن کے کمرے میں دفعتہً پہونچے اور قیصر نے کہا کہ:۔

بیٹی جوزیفائن! میں اس وقت مزاحم ضرور ہوا لیکن تمہاری محبت نے مجبور کیا کہ میں تمہاری حالت کو دیکھوں۔

جوزیفائن۔ ابا آپ اس لونڈی کو محجوب نہ فرمایئے۔ خدا نے مجھ پر فضل کیا اور اس وقت میں بہت اچھی ہوں۔

قیصر تو پچھلے پاؤں لوٹ آئے اور ملکہ نے کہا کہ اب زیادہ ہو گئی ہے حسین سوار آج ہی سفر سے پہونچے ہیں۔ تکان یقیناً زیادہ ہو گی۔ لہذا اب سو رہنا مناسب ہو گا۔ اور یہ کہہ کر فوراً ہی کہا کہ حسین سوار یہاں آپ کے کمرے میں سو رہیں گے اور ان کے رفیق کے سونے کا انتظام دوسرے کمرے میں کر دیا گیا ہے۔

یہ کہہ کر ملکہ رخصت ہو گئی اور مدت کے یہ بچھڑے ہوئے گل و بلبل ایک کمرے

میں تنہا رہ گئے۔

جوزیفائن کی خواب گاہ

قیصر کے شاہی ایوان میں شمعیں ایک ایک کر کے خاموش کر دی گئی ہیں۔ لیکن ایک کمرے میں دھیمی دھیمی روشنی اب بھی نظر آتی ہے۔ اگرچہ اس کمرے کے دروازے بند ہیں لیکن آہستہ آہستہ کچھ باتوں کی آواز کانوں میں آ رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آدھی رات سے زیادہ وقت گذر چکا ہے۔ لیکن اس کمرے کے آرام کرنے والوں کو نیند نہیں آئی۔ غور و جستجو سے معلوم ہوا کہ جوزیفائن کی خواب گاہ ہے اور حسین سوار بھی اسی کمرے میں محو آرام ہیں۔

چونکہ عرصہ دراز کی جدائی کے بعد گل و بلبل ملے تھے۔ اور لیلیٰ انطاکیہ نے عرب کے تاجدار حسن کو دیکھا تھا۔ لہذا نیند اڑ گئی اور جب کان لگا کر سنا تو روم کی شہزادی کہہ رہی تھی کہ:۔

حسین سوار! تم نے مجھے کہیں کا نہ رکھا نہ مردہ ہوں نہ زندہ ہوں۔ کاش میری روح قفس عنصری سے پرواز کر جاتی تو مجھے نجات مل جاتی۔

حسین سوار۔ مہ جبیں شہزادی تم اس قدر مایوس کیوں ہو اگر خدانخواستہ تمہارے دشمن ہلاک ہو جاتے تو کیا میں زندہ رہتا۔

جوزیفائن۔ ہاں یہی وہ خیال تھا جس کی وجہ سے روح کئی بار نکل نکل کر واپس آ گئی۔ ورنہ تمہاری جوزیفائن آج مٹی کا ایک ڈھیر ہوتی۔

حسین سوار۔ کیا خدانخواستہ میری راحت جان کی حالت بہت زیادہ خراب ہو گئی تھی۔

جوزیفائن۔ اللہ رے اغنائی، ابھی یہی خبر نہیں کہ جسے آپ راحت جان کہتے ہیں۔ اس کا حال کیا تھا۔ اگر وہ واقعی راحت جان ہے تو پھر آپ اس قدر بے خبر کیوں ہیں۔؟

حسین سوار۔ آرام دل نازنین! میں بے خبر نہ تھا لیکن یہ تو فرمایئے۔ کہ اس قدر حالت کیوں خراب ہو گئی تھی۔؟

جوزلیفائن۔ کیا بیدرد صیاد کو اپنے شکار کے زخموں کی خبر نہیں۔؟

حسین سوار۔ نازک دل شہزادی! مجھے زیادہ شرمندہ نہ کرو اور یہ بتاؤ کہ تمھاری کیفیت کیا ہو گئی تھی۔؟

جوزلیفائن۔ حیات کا چراغ یاس و بیم کے طوفان خیز جھونکوں میں ٹمٹما رہا تھا۔ اور امیدوں کی دنیا تاریک ہو چکی تھی۔۔

حسین سوار۔ کیا خدانخواستہ تم میری طرف سے یکسر مایوس ہو گئی تھیں؟

جوزلیفائن۔ تمناؤں کے قاتل اور آرزوؤں کے غارت گر کیا اس قدر صبر آزما انتظار کے بعد بھی مایوس نہ ہوتی۔

حسین سوار۔ اچھا اب تو میں حاضر ہوں خدا کے لئے مایوس نہ ہو۔

جوزلیفائن۔ تو کیا اطمینان دلاتے ہو کہ وہ آرزو پوری ہو جائے گی۔؟

حسین سوار۔ کون سی آرزو۔؟

جوزلیفائن۔ اللہ رے بےخبری کہ اب تک آرزو معلوم ہی نہیں۔

حسین سوار۔ تمھارے حسن خداداد کی قسم کہ مجھے وہ آرزو یاد نہیں رہی۔

جوزلیفائن۔ کیا وہ آرزو آپ کو یاد نہیں رہی جس کا بار بار کبھی میدان جنگ اور کبھی آپ کی چھاؤنی میں ذکر آیا ہے اور آپ انکار کرتے رہے۔

حسین سوار۔

جوزلیفائن۔ (ذرا غرور کے لہجہ میں) جی ہاں روم کی شہزادی کا ایک بہادر عرب سے عقد۔

سنتے ہی حسین سوار کے چہرے کا رنگ یک بیک زرد ہو گیا۔ اور اس نے یہ کہہ کر گردن جھکالی کہ:۔

"اس کا جواب میں کل دوں گا"

جنگ یرموک کا دوسرا معرکہ

آفتاب کا سرخ و خونی چہرہ دیکھ کر دنیا تلملا اٹھی ہے۔ اس کی شعاعیں کانپتی ہوئی زمین کی طرف آتی ہیں۔ اور پھر واپس چلی جاتی ہیں۔ کیونکہ آج رومی بہادروں، اور مسلم غازیوں کا دوسرا معرکہ ہے۔ دو لاکھ رومیوں کا ٹڈی دل لشکر میدان میں آچکا ہے اور تیس ہزار مجاہدین اسلام اس سیلاب فنا کو روکنے کے لئے صف آرا ہو چکے ہیں۔ رومیوں کو اپنی تعداد و اسلحہ پر ناز ہے۔ اور فرزندان توحید کا اپنے خدا پر بھروسہ ہے۔ غرض فریقین کے لشکر ایک دوسرے کے مقابل آچکے تھے کہ حملہ کی ابتدا رومیوں نے کی۔ ان کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار نفوس پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر جم گئے تھے کہ ہٹنے کا خیال تک نہ آئے۔ دو لاکھ کا ٹڈی دل ایک ساتھ حرکت میں آیا۔ ہزاروں پادری صلیب اٹھائے آگے آگے چل رہے تھے۔ بشپوں کے سر پر انجیل تھی جسے دکھا کر وہ سپاہیوں سے کہتے تھے کہ:۔

"اس مقدس کتاب کی عزت تمھارے ہاتھ میں ہے"

سپاہی حضرت عیسٰیؑ کی جے پکارتے اور صلیب زندہ باد کے نعرے لگاتے جاتے تھے۔ اس جوش کو دیکھ کر ایک مسلمان کی زبان سے بے اختیار نکل گیا کہ:۔

اللہ اکبر کس قدر لاتعداد فوج ہے۔؟

حضرت خالد نے غصہ سے جھنجھلا کر کہا کہ:۔

خاموش رہ خدا کی قسم میرے گھوڑے کے سُم ذرا اچھے ہوتے تو میں کہہ دیتا کہ رومی اتنی ہی فوج اور لے آئیں جب بھی میرے تنہا بازو مقابلہ کرنے کو حاضر ہیں۔

خلاصہ یہ کہ رومیوں نے نہایت زور شور سے حملہ کیا اور تیروں کا مینہ برساتے ہوئے آگے بڑھے۔ مسلمان دیر تک مقابلہ کرتے رہے لیکن حملہ اس شدت کا تھا کہ فوج کا میمنہ ٹوٹ کر اسلامی لشکر سے علیحدہ ہو گیا۔ اور جب اس پر زور پڑا

تو وہ نہایت بے ترتیبی سے منتشر ہو گیا۔ یہاں تک کہ ہزیمت خوردہ سپاہی پیچھے ہٹتے ہٹتے حرم کے خیمہ گاہ تک پہونچ گئے۔ مسلم خواتین کو یہ دیکھ کر سخت غصہ آیا۔ اسلحہ ان کے پاس نہ تھے تو خیموں کی چوبیں اکھاڑ لیں اور پسپا ہونے والے مسلمانوں کو ڈانٹ کر کہا کہ :۔

"ادھر آئے تو چوبوں سے تمھارا سر توڑ دیں گے"

اسی اثناء میں ایک حسین سوار نمودار ہوا۔ اور اس نے ہزیمت یافتوں کو للکار کر کہا۔ کہ تمہیں شرم نہیں آتی کہ میدان جنگ چھوڑ کر عورتوں کے خیموں میں آ رہے ہو۔ کیا رومیوں کی تلواروں سے ڈر گئے اور ان کے نیزوں نے خوفزدہ کر دیا۔ یاد رکھو کہ موت سے خیمے پناہ نہیں دے سکتے۔ اگر غازی ہو تو میدان میں مرو۔ جنت تلوار کے سایہ میں ہے۔ جہاں حوریں تمھاری منتظر ہیں۔

اس تقریر نے ہزیمت یافتوں میں نئی روح پیدا کر دی۔ یہاں تک کہ معاذ بن جبل جو میمنہ کے ایک حصے کے سپہ سالار تھے گھوڑے سے کود پڑے اور کہا۔ کہ میں تو پیادہ پا جنگ کروں گا۔ اگر کوئی بہادر اس گھوڑے کا حق ادا کر سکے تو یہ حاضر ہے۔ ان کے بہادر فرزند نے کہا کہ یہ حق میں ادا کروں گا۔ کیونکہ یہ حق میں سوار ہو کر اچھی طرح سے ادا کر سکتا ہوں۔ غرض یہ دونوں اور حسین سوار رومی فوج میں گھس گئے اور اس دلیری سے لڑے کہ مسلمانوں کے پاؤں پھر جم گئے۔

اسی اثناء میں قبیلہ ابید کا سردار حجاج پانسو آدمیوں کی جمعیت لے کر آگے بڑھا اور عیسائیوں کا جو مسلمانوں کا تعاقب کرتے چلے آ رہے تھے آگا روک لیا۔ میمنہ میں قبیلہ ازد شروع سے مستقل و ثابت قدم رہا تھا۔ عیسائی چاروں طرف سے اس پر ٹوٹ پڑے لیکن وہ پہاڑ کی طرح جمے رہے اور انھیں یہ طوفان کوئی جنبش نہ دے سکا۔ جنگ کی یہ شدت تھی کہ ہر چہار طرف سر و بازو کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ اور کشتوں کا ایک انبار لگ گیا تھا لیکن قبیلہ ازد کو کوئی لغزش نہیں ہوئی۔ عمرو بن طفیل جو قبیلہ کے سردار اور اس جمعیت کے سپہ سالار تھے۔

تلوار مارے جاتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ قبیلہ ازد کے بہادرو دیکھنا! مسلمانوں پر تمہاری وجہ سے داغ نہ آئے۔ تو تیس رومی بہادروں کو انھوں نے کاٹ کر رکھدیا لیکن آخر کار یہ خود بھی شہید ہو گئے۔

حضرت خالد نے اپنی فوج کو پیچھے لگا رکھا تھا۔ وہ صف چیر کر دفعتہ اس زور سے نکلے کہ رومیوں کی صفیں ابتر کر دیں۔ اس پر اللہ اکبر کا ایک غلغلہ انداز نعرہ بلند ہوا۔ جس سے کوہ ودشت گونج اٹھے اور رومیوں کے دل دہل گئے۔ حضرت خالد نے ہزاروں کو کاٹ کر ڈال دیا۔

اس معرکہ میں ایک حسین سوار کو دیکھا کہ وہ نہایت پھرتی سے حملہ کر رہا تھا۔ بجلی کی سرعت سے آگے بڑھتا اور صدہا کو جہنم میں پہونچا کر پھر حضرت خالد کے پاس آجاتا حضرت خالد خود اس قدر جنگ میں مصروف تھے کہ وہ اس بہادر سوار کو نہ دیکھ سکے۔ لیکن حسین سوار کی بہادری اور سیف الاسلام غازی کی شجاعت نے عزت رکھ لی۔

غازی عکرمہ کا جوش

ابو جہل سے کون ناواقف ہے۔ اس کا ایک جوان فرزند تھا عکرمہ یہ بھی اپنے باپ کی طرح اسلام کا سخت ترین دشمن تھا۔ چونکہ ابو جہل بدر میں قتل کر دیا گیا تھا۔ لہذا اس کا جوش انتقام بہت بڑھ گیا تھا۔ اور یہ جوش دیوانگی کی حد تک پہونچ چکا تھا۔ بدر و احد اور غزوہ خندق کی مشہور جنگوں میں اس نے اسلامی فوج کا زبردست مقابلہ کیا۔ تا آنکہ فتح مکہ کی شکست نے اس کا حوصلہ پست کر دیا۔ اور یہ غازیان اسلام کے خوف سے یمن بھاگ گیا۔

اس کی بی بی مشرف باسلام ہو چکی تھیں۔ انھوں نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں یمن جاؤں اور اپنے شوہر عکرمہ کو اسلام کی تبلیغ کروں۔ آنحضور صلعم نے اجازت دیدی۔ یہ گئیں اور کامیاب ہو گئیں۔ حتیٰ کہ عکرمہ مشرف باسلام ہو کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ تو آپ

جوش مسرت سے کھڑے ہو گئے اور عکرمہ کو گلے لگایا۔

عکرمہ کی زندگی کا ایک دور وہ تھا دوسرا دور یہ ہے کہ عکرمہ غازیان اسلام کی صفوں میں کھڑے ہیں یرموک کا میدان ہے اور رومیوں کی دو لاکھ فوج کے بالمقابل صرف ۳۲ ہزار مسلمان جنگ آزما ہیں۔ اسلامی فوج کا میمنہ شکست ہو چکا ہے۔ اور فیصلہ کن جنگ ہو رہی ہے کہ عکرمہ شیر غرّاں کی طرح صف چیر کر سامنے آتا ہے۔ اور رومیوں کو مخاطب کر کے اس طرح لب کشا ہوتا ہے۔

عیسائیو! میں کسی زمانہ میں جب کافر تھا تو خود رسول اللہ صلعم سے لڑ چکا ہوں۔ پھر کیا آج تمہارے مقابلہ میں پیچھے ہٹ سکتا ہوں۔ اس وقت میرے دل میں کفر کی لعنت تھی۔ لیکن آج اسلام کا نور ہے جس نے میری رگوں کو فولادی اور میرے بازوؤں کو نہایت قوی بنا دیا ہے۔ اگر تم میں ہمت ہے تو آگے بڑھو اور مقابلہ کرو۔

عکرمہ کی یہ تقریر سنکر تمام عیسائی حیرت سے دیکھنے لگے کہ اللہ اللہ جس کا باپ اسلام کی بیخ و بنیاد اکھاڑ کر پھینکنا چاہتا تھا آج اس کا بیٹا اسی اسلام کو اپنے خون سے سینچنے کے لئے چیلنج دے رہا ہے۔

عکرمہ نے دو تین منٹ توقف کیا تو وہ اسلامی فوج کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ:۔

"مرنے پر کون بیعت کرتا ہے"

ایک سپاہی۔ صف سے آگے بڑھ کر، میں حاضر ہوں۔

دوسرا سپاہی۔ جنت میں پہونچنے کے لئے میں بھی بیقرار ہوں۔

تیسرا سپاہی۔ حوریں میرا انتظار کر رہی ہیں۔

چوتھا سپاہی۔ تاجدار مدینہ کی روح مقدس مجھے بلا رہی ہے۔

پانچواں سپاہی۔ آغوش رحمت الٰہی میرے لئے کھل چکی ہے۔

چھٹا سپاہی۔ وہ نور یزداں جو لیلیٰ کی نرگسی آنکھوں میں چمک رہا تھا۔ اور جس کی ایک جھلک نے موسیٰؑ کو بیہوش کر دیا تھا۔ پھر چمکنے کیلئے مضطرب ہے۔

غرض اسی طرح جوق جوق سپاہیوں نے بیعت شروع کردی۔ یہاں تک کہ چار سو سپاہی عکرمہ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ ان چار سو میں ایک نامور غازی ضرار بن ازور بھی تھے۔ یہ سب کے سب اس جوانمردی سے لڑے کہ سب وہیں کٹ کر رہ گئے۔ اور اپنی اپنی مراد یعنی شہادت کو پہونچ گئے۔ حضرت عکرمہ کی لاش شہداء کے ڈھیر میں ملی۔

ابھی کچھ دم باقی تھا کہ حضرت خالد نے عکرمہ کا سر اپنے زانو پر رکھا اور گلے میں پانی ٹپکا کر کہا۔ کہ:۔

"خدا کی قسم عمر رضؓ کا گمان غلط تھا کہ ہم شہید ہو کر نہ مریں گے"

خونِ شہداء رنگ لایا

حدیث میں آیا ہے کہ خونِ شہادت کا قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے مقبول ہو جاتا ہے پس عکرمہ اور اس کے ساتھیوں کی شہادت ایسی نہ تھی کہ غیرت خداوندی جوش میں نہ آئے۔ لہذا یہ چار سو مجاہد بن اگرچہ تقریباً سب شہید ہو گئے۔ مگر ہزاروں رومیوں کو برباد کر دیا۔ رومی لشکر میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ اور کٹے ہوئے سروں سے ایک وسیع میدان بھر گیا۔ ان سروں اور لاشوں پر سواروں کے گھوڑے دوڑ رہے تھے اور اپنی ٹاپوں سے پائمال کر رہے تھے۔ جب کسی سوار کے گھوڑے کی ٹاپ کسی مقتول کے سر پر پڑتی تو اس کی کھوپری کی کھیل کھیل ہو جاتی بعض گھوڑے لاشوں میں الجھ کر اور سروں سے ٹکرا کر گر گئے اور اسی کے ساتھ ان کے سوار بھی زمین پر آرہے جس میں سے کسی کی ناک کٹ گئی اور کسی کا سر زخمی ہو گیا۔ غرض چار سو شہداء کے عوض رومیوں کا کہیں زیادہ نقصان ہوا۔

حضرت خالد کے حملوں نے اور بھی ان کی طاقت توڑ دی۔ حتیٰ کہ ان کی فوج میں ایک حبین سوار تھا جو تلوارے کر رومیوں میں گھستا اور مولی گاجر کی طرح کاٹتا ہوا نکل آتا۔

یہ حسین سوار وہی تھا جو ملکہ روم کی طلب پر انطاکیہ پہونچا تھا۔ اور جوزلیفائن کی خواب گاہ میں اپنی لیلیٰ سے باتیں کر رہا تھا جب اس نے انطاکیہ میں یرموک کے جہاد کی خبر سنی تو یہ جوش جہاد میں بغیر اطلاع کئے وہاں سے روانہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ اپنے بھائی حضرت ضرار کو بھی خبر نہیں کی سلور چند روز کے بعد میدان میں پہونچ گیا غرض جو قیصر روم کے ایوان شاہی میں جوزلیفائن کا معشوق تھا۔ آج وہ رومی تاج کے مقابلہ میں ایک مجاہد تھا۔

حضرت خالد بھی اس کی شجاعت کو دیکھ دیکھ کر انگشت بدندان تھے۔ اور اس بہادر غیبی فرشتہ سے پوچھنا چاہتے تھے۔ کہ وہ کس کان شجاعت کا جوہر ہے۔ اور کب میدان میں پہونچا ہے۔ کئی مرتبہ اس کی طرف بڑھے لیکن گفت گو کرنے کا موقع نہ ملا۔ جب ہی وہ رومیوں کی صف سے نکل کر آتا۔ فوراً ہی یکہ و تنہا شبیر کی طرح دوسرا حملہ شروع کر دیتا۔ اس طرح اس نے کئی حملے کئے اور صدہا رومیوں کو کاٹ کر ڈال دیا یہاں تک کہ انھیں پیچھے ہٹنا پڑا۔

جب رومی فدائیان اسلام کے حملوں سے پسپا ہو رہے تھے تو حضرت خالد نے انھیں دبانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ وہ رومی سپہ سالار اور نجار تک پہونچ گئے۔ اور نجار اور رومی افسروں نے اپنی آنکھوں پر رومال ڈال لئے کہ:

"اگر یہ آنکھیں فتح کا چہرہ نہ دیکھ سکیں تو شکست بھی نہ دیکھیں"

اسی اثنار میں حضرت خالد کو حسین سوار کے پاس پہونچنے کا موقعہ مل گیا اور انھوں نے اس بہادر جوان سے دریافت کیا کہ:۔

تم کس قبیلہ کے نوجوان ہو۔؟

حسین سوار۔ میں کسی قبیلہ کا نوجوان فرزند نہیں ہوں۔

خالد۔ تو پھر کیا آپ فرشتہ ہیں۔؟

حسین سوار۔ جی نہیں میں فرشتہ بھی نہیں بلکہ آدم زاد ہوں۔

خالد۔ پھر نوجوان ہونے کا انکار کیوں ہے۔ حالانکہ دن ہے۔ اور

ری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ تم ایک نوجوان سوار ہو۔
حسین سوار۔ محترم سپہ سالار! آپ مجھے اس قدر جلد بھول گئے۔؟
خالد۔ کیا تم اس سے پہلے کہیں ملے ہو۔؟
حسین سوار۔ صرف ملا ہی نہیں۔ بلکہ آپ کی رکاب میں شرکت جہاد کی بھی عزت
حاصل کی ہے۔
خالد۔ (حیرت سے) کہاں ؟
حسین سوار۔ دمشق۔ حمص۔ اور مخل کے جنگی میدانوں میں۔
خالد۔ تو کیا تم خولہ حضرت ضرار کی بہن ہو۔
حسین سوار۔ (سر جھکا کر) جی ہاں حسین سوار کے لباس میں ایک عورت ہوں
خالد۔ اسلام کے لئے ایسی بہادر لڑکیاں مبارک ہیں۔

رومی حملہ اور مسلم خواتین کی شجاعت

حسین سوار اور حضرت خالد نے کمزور و شکست خوردہ میمنہ کو جس طرح سنبھالا وہ معلوم ہو چکا ہے لیکن اس کے بعد ہی رومیوں کے زبردست حملے سے اسلامی فوج کا میسرہ خطرہ میں پڑ گیا۔

ابن قناطیر رومیوں کے میمنہ کا سپہ سالار تھا جب اس نے دیکھا۔ کہ بہادر مسلمانوں نے رومی فوج کے میسرہ کو پیچھے ہٹا دیا۔ تو اس نے اسلامی فوج کے میسرہ پر ایک فیصلہ کن حملہ کر دیا۔ اس حصہ میں اکثر لخم و غسان کے قبیلہ کے سپاہی تھے۔ جو شام کے اطراف میں بود و باش رکھتے تھے۔ اور ایک عرصہ سے روم کے باجگذار تھے۔ ان کے دلوں میں رومیوں کا رعب سمایا ہوا تھا اس کا اثر یہ ہوا کہ رومیوں کے پہلے ہی حملہ میں ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اگر ان کے افسر بھی ذرا بے ہمتی دکھاتے تو لڑائی کا فیصلہ رومیوں کے حق میں ہو چکا تھا مسلمان سپاہی بھاگ رہے تھے اور ابن قناطیر کی فوج ان کے پیچھے آرہی

تھی کہ مسلم خواتین یہ دیکھ کر اپنے خیموں سے نکل آئیں۔ انھوں نے تلواریں ہاتھ میں لے لیں اور بھاگتے ہوؤں کو للکار کر کہا کہ:۔

"خبردار! تم مسلمان ہو اور مسلمان کا لڑائی میں پیٹھ دکھانا موت سے بدتر ہے۔"

یہ سنکر مسلمان ذرا ٹھیرے۔ لیکن رومیوں کا دباؤ اس قدر زیادہ تھا کہ ان کے قدم نہ جم سکے۔ بہادر خواتین کا جوش اور زیادہ ترقی کر گیا تھا۔ انھوں نے بھاگتے ہوئے سپاہیوں کو پھر للکارا اور کہا کہ:۔

"تم بہشت کو چھوڑ کر جہنم کی طرف کیوں جا رہے ہو۔ موت غازی کے لئے جنت کا دروازہ ہے۔ ٹھیرو اور دشمن پر حملہ کر کے پھر ایک مرتبہ اسلامی شجاعت کا جوہر دکھاؤ۔ دیکھو ہم خواتین ہیں اور تم سے پہلے ہم رومیوں پر حملہ کرتی ہیں۔ کیا تم مرد ہو کر بھی ہمارا ساتھ نہ دوگے؟"

یہ کہا اور مسلم خواتین رومی لشکر پر ٹوٹ پڑیں۔ یہ دیکھ کر لخم و غسان کے سپاہی بھی پیچھے مڑے۔ اور انھوں نے بھی رومیوں کا اس شان سے مقابلہ کیا۔ کہ جنگ کی حالت بدل گئی

علاوہ بریں قباث بن اشتیم۔ سعید بن زید۔ عمرو بن العاص۔ یزید بن ابی سفیان۔ شرحبیل بن حسنہ افسران فوج نے نہایت بے جگری سے فوج کو سنبھالا اور رومیوں کا مقابلہ کیا۔ قباث بن اشتیم کی شجاعت کا یہ عالم تھا کہ ان کے ہاتھ سے نیزے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے مگر تیور پر بل نہ آتا تھا۔ جب نیزہ ٹوٹ کر گرتا تو کہتے کہتے کہ:۔

"کوئی ہے جو اس شخص کو ہتھیار دے جس نے خدا سے اقرار کیا ہو کہ وہ میدان جنگ سے پیچھے ہٹے گا۔ تو مر کر ہٹے گا"

لوگ فوراً تلوار یا نیزہ ان کے ہاتھ میں دیدیتے اور پھر وہ شیر کی طرح جھپٹ کر دشمن پر جا پڑتے۔ اسی طرح صدہا دشمنان اسلام کو کاٹ کر رکھدیا۔

اور ہزاروں کو خاک و خون میں ملا دیا۔
ایک اور افسر ابو الاعور تھے وہ گھوڑے سے کود پڑے اور اپنے رفقاء کو مخاطب کر کے کہا کہ۔
"صبر و استقلال دنیا میں عزت ہے اور عقبیٰ میں رحمت دیکھنا یہ دولت لازوال ہاتھ سے نہ جائے۔"
سعید بن زید گھٹنے ٹیک کر کھڑے تھے اور نہایت غصہ سے رومیوں کو گھور رہے تھے۔ رومی فوج ان کی طرف بڑھی۔ تو یہ شیر ببر کی طرح جھپٹے۔ اور رومی مقدمہ کے افسر کو مار کر گرا دیا۔
اس پر اسلامی فوج میں ایک نعرۂ توحید بلند ہوا جس سے زمین و آسمان گونج اٹھے۔ ابھی اثنا رہیں ایک حسین سوار نمودار ہوا۔ جو رومیوں کی صفوں میں گھس گیا۔ اور بعد از دشمنوں کو جہنم میں پہونچا دیا۔ اس کی تلوار بجلی کی طرح سیاہ سروں کی گھٹا میں تیرتی ہوئی چلی جاتی۔ اور جب زمین کی طرف نظر جاتی تو معلوم ہوتا کہ سر کٹ کٹ کر گر رہے ہیں۔ اور لاشوں کے پشتے لگ گئے ہیں۔

حور لقائن کی آمد

صبح کا سہانا وقت ہے نسیم سحری کے ہلکے ہلکے جھونکے چل رہے ہیں۔ مشرق کے نقاب پوش نے ابھی اپنے چہرے سے نقاب الٹا ہے اور اس کی زریں شعاعوں نے ایوان شاہی کے کنگروں اور پہاڑیوں کی زمردیں چوٹیوں کو سنہرا لباس پہنا دیا ہے۔ عنبلی شبنم کے پانی سے غسل کر کے نکھر گئی ہے۔ اور نرگس مہوشان چمن کو چشم نمائی کر رہی ہے۔ کہ باد سحری نے گلاب کے پھولوں سے خوشبو کو چرایا۔ اور ایوان شاہی کی ایک نازنین کے دماغ تک پہونچایا۔ یہ آنکھیں ملتی ہوئی اٹھی تو دیکھا کہ قریب کا بستر خالی ہے۔ اور اس کی امیدوں کا تاج الملوک غائب ہے۔ پہلے تو گھبرائی لیکن فوراً ہی سمجھ گئی کہ جہاد کا جوش اڑا کر لے گیا۔ اور وہ میدان جنگ میں پہونچ گیا۔

جوزیفائن ضروریات سے فارغ ہو کر اپنی والدہ کی خدمت میں آئی۔ اور حسین سوار کے غائب ہونے کا واقعہ بیان کیا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میرا خیال ہے وہ میدان جنگ کی طرف چلے گئے۔

ملکہ ۔ بیشک میں بھی یہی سمجھتی ہوں۔ کیونکہ کل جب یرموک سے قاصد آیا تھا۔ تو انھوں نے نہایت جوش کے ساتھ اس سے حالات معلوم کئے تھے۔

جوزیفائن ۔ اگر ایسا ہے تو ان کے بھائی ضرار بھی گئے ہوں گے۔

ملکہ ۔ بیشک میرا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن میں ان کو معلوم کر لوں۔ یہ کہہ کر ملکہ اس کمرہ میں گئی جہاں ضرار مقیم تھے۔ مگر خلاف قیاس انھیں وہاں موجود پایا۔ یہ دیکھ کر بہت حیران ہوئی اور حسین سوار کے گم ہونے کی خبر ان کو سنا دی۔ ضرار کا بھی خیال اسی طرف گیا کہ وہ میدان جنگ کی طرف چل دیئے۔ اس کے بعد جوزیفائن اور ضرار و ملکہ نے بھی میدان جنگ کا قصد کر دیا۔ اور چند ایام کے بعد انطاکیہ سے یرموک کے میدان میں پہونچ گئے۔

راہ میں جوزیفائن اور ضرار کی باتیں ہوئیں اور آپس میں کچھ انس بھی بڑھ گیا۔ جوزیفائن جانتی تھی کہ ضرار کی شبیہ اس کے دل کے مالک حسین سوار سے بہت ملتی جلتی ہے۔ نیز اسے معلوم تھا کہ ضرار "حسین سوار" کے بھائی ہیں۔ لہذا اگر حسین سوار جوزیفائن کے عشق و محبت کا مرکز تھا تو ضرار اس مرکز کا دائرہ تھے۔ اس پر حضرت ضرار کے حسن اخلاق نے جوزیفائن اور ملکہ کا دل موہ لیا۔ محبت ایک برقی تیر ہے جو ایک طرف سے چلتا اور دوسری طرف نشانہ پر لگتا ہے۔ لہذا یہ ناممکن تھا کہ جوزیفائن کے دل میں ضرار کی محبت گدگدیاں کرے۔ اور ضرار پر کچھ اثر نہ ہو۔ پھر جوزیفائن روم کی ایک حسینہ ہی نہ تھی۔ بلکہ عفت و عصمت کی ملکہ بھی تھی۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ قدرتی طور پر محبت رکھتی تھی۔ اور اسلام کی عظمت اس کے دل میں نقش ہو چکی تھی۔ اس لئے حضرت ضرار کو بھی اس سفر میں جوزیفائن کے ساتھ محبت پیدا ہو گئی۔ یہاں تک کہ جب یہ میدان جنگ میں پہونچے تو تینوں حسین سوار کو

دیکھنے کے مشتاق تھے۔
انھوں نے پہونچکر آرام نہیں کیا۔ بلکہ میدان جنگ کی طرف چلدیئے اور خاص اس مقام کے قریب پہونچ گئے۔ جہاں ابن قنطار کے حملے کا غازیان اسلام جواب دے رہے تھے۔ اور حسین سوار بجلی کی طرح چمک چمک کر رومیوں کو تباہ کر رہا تھا یہ تینوں ایک بلند مقام کی آڑ میں کھڑے ہو گئے۔ اور لڑائی کا تماشا دیکھنے لگے۔ حسین سوار پر سب سے پہلے جوزلیفائن کی نظر پڑی اور بے اختیار اس کے منہ سے نکلا کہ:۔
"دیکھو میرا شیر کس طرح حملہ کر رہا ہے"
ملکہ۔ (نظر اٹھا کر) عمر کم ہے۔ کلائیاں نازک ہیں اور جسم چھریرا ہے مگر حملہ کرتے وقت معلوم ہوتا ہے کہ یہ حسین سوار نہیں ہے بلکہ ببر شیر ہے۔
ضرار۔ (دل ہی دل میں) ان دونوں کو کیا معلوم کہ یہ حسین سوار نہیں بلکہ ایک عرب قبیلہ کی لڑکی ہے۔
جوزلیفائن۔ کیا حسین سوار کی یہ شجاعت و شہامت حیرت انگیز نہیں؟ اور کہاں اس کی مثال موجود ہے۔؟
ضرار۔ ہاں عرب کی لڑکیوں میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔
جوزلیفائن۔ (مسکرا کر) کہیں آپ حسین سوار کے رقیب تو نہیں۔؟
ضرار۔ رقیب تو نہیں البتہ حقیقی بھائی ضرور ہوں۔
جوزلیفائن۔ تو آپ کو اپنے بھائی کی شجاعت پر فخر کرنا چاہیئے۔
ضرار۔ ہاں میں فخر تو نہیں کرتا۔ البتہ خدا کا شکر ادا کرتا ہوں۔ کہ اس نے اسلام کی دختروں کو ایسی شجاعت عطا کی ہے۔
یہ الفاظ ضرار کی زبان سے نکل تو گئے لیکن وہ دم بخود رہ گئے۔ کہ کہیں قبل از وقت ہی راز فاش نہ ہو جائے۔ اور جوزلیفائن پر یہ ظاہر نہ ہو جائے کہ اس کی امیدوں کا آفتاب یعنی حسین سوار کوئی مرد نہیں بلکہ عورت ہے۔
جوزلیفائن۔ میں آپ سے حسین سوار کی داد شجاعت چاہتی ہوں۔ اور

آپ اسلام کی دختروں کا ذکر فرماتے ہیں۔
ضرار۔ زبان لڑنے کے لئے، ہاں یہ ذکر میں نے اس لئے کیا کہ صرف اسلام کے نوجوان ہی نہیں بلکہ مسلمان لڑکیاں بھی بہادر ہیں۔

میدانِ جنگ میں باپ کی نصیحت

جوزیفائن، سلمہ اور ضرار میں یہ گفتگو ہو رہی تھی۔ اور یہاں معرکہ کارزار گرم تھا۔ دونوں طرف جنگ کے بادل گرج رہے تھے۔ اور سپاہی اپنی صفوں سے نکل کر دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ جب غازیان اسلام نے فیصلہ کن حملہ کیا۔ تو رومیوں میں بھی جوش پیدا ہوا۔ اور ان کے افسروں نے بھی اپنی فوج کو مقابلہ کے لئے برانگیختہ کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ بہت سے پادری صلیبیں اٹھائے اور انجیل سر پر رکھے فوج کے سامنے آئے اور سپاہیوں کو جوش دلانے لگے۔

ادھر اسلامی فوج میں یہ عالم تھا کہ حضرت معاویہ کے بھائی یزید بن سفیان بڑی ثابت قدمی سے لڑ رہے تھے۔ اتفاق سے ان کے باپ ابوسفیان جو فوج کو جوش دلاتے پھرتے تھے۔ ادھر آنکلے۔ بیٹے کو دیکھ کر کہا کہ:۔

"جان پدر! اس وقت میدان کارزار میں ہر ایک سپاہی دادِ شجاعت کے جوہر دکھا رہا ہے۔ تو سپہ سالار ہے۔ اور سپاہیوں کی نسبت تجھ پر شجاعت کا زیادہ حق ہے۔ میری فوج میں سے ایک سپاہی بھی اس میدان میں اگر تجھ سے بازی لے گیا تو تیرے لئے شرم کی بات ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارے خاندان پر داغ لگ جائے۔ اور آبائی شجاعت ملیامیٹ ہو جائے۔ ہم عرب صرف دو ہی چیزوں کیلئے پیدا ہوتے ہیں تخت یا تختہ۔ یعنی موت یا فتح"

یہ تقریر ابوسفیان نے اس جوش و خروش سے کی کہ یزید بن ابی سفیان اور ان کے ماتحت سپاہی سب جھومنے لگے۔ تقریر ختم ہونے پر مجاہدین

نے اللہ اکبر کا فلک شگاف نعرہ لگایا۔ اور دشمنوں پر اس طرح جا پڑے جس طرح کوئی شیر بکریوں کے گلہ پر حملہ کرتا ہے۔ صدہا دشمنوں کو کاٹ کر ڈال دیا۔ اور ہزار ہا کو زخمی کر دیا۔

شرجیل ایک اور سردار تھے۔ یہ رومیوں کے نرغہ میں گھر گئے۔ مگر کیا مجال کہ چتون پر بل آئے۔ یا دل پر ذرا بھی ملال ہو۔ شیر ببر کی طرح سینہ تان کر ڈٹے کھڑے تھے۔ اور قرآن کریم کی یہ آیت جھوم جھوم کر پڑھ رہے تھے۔

ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون۔

"خدا نے مومنوں کے جان و مال کو جنت کے عوض میں خرید لیا ہے۔ وہ اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں۔ اور خود بھی شہید ہوتے ہیں۔"

جب آیت ختم ہوئی تو نعرہ لگاتے اور فرماتے کہ:۔

"خدا کے ساتھ سودا کرنے والے اور اس کے ہمسایہ بننے والے کہاں ہیں"؟

یہ آواز جس کان میں پڑی ٹوٹ گیا۔ اور بے اختیار ہو کر مرنے مارنے کے لئے تیار ہو گیا۔ یہاں تک کہ اکھڑی ہوئی فوج کے قدم جم گئے اور بھاگتے ہوئے سپاہی پھر سنبھل گئے۔ شرجیل نے ان کو ہمراہ لے کر پھر بہادری سے جنگ کی۔ یہاں تک کہ رومی سپاہی جو بڑھتے چلے آتے تھے رک گئے۔

اتفاق سے اس طرف حسین سوار بھی پہونچ گیا جس کے ساتھ مسلح خواتین بھی تھیں۔ انھوں نے بھی سپاہیوں کو جوش دلایا۔ اور کہا کہ اگر پیچھے ہٹے تو ہمیں منہ نہ دکھانا۔

حسین سوار جب رومیوں کی طرف جھپٹا تو اس کی محبوبہ جوزلیفا اُسے بھی دیکھ رہی تھی۔ بے اختیار اس کی زبان سے نکلا کہ:۔

"دیکھو وہ شیر ببر بکریوں کے گلہ میں گھس گیا۔"

ملکہ۔ بیٹی جوزلیفائن ایسے کلمات زبان سے نہ نکالو۔ اگر رومی سپاہیوں نے سُن لئے تو قیامت آجائے گی۔ آخر رومی تمھارے باپ قیصر کے سپاہی ہیں۔ اور ان کو تم بکریوں سے تشبیہ دیتی ہو۔

جوزلیفائن۔ اماں جان اس میں میرا کیا قصور ہے۔ آپ ملاحظہ فرمارہی ہیں کہ حسین سوار کے سامنے رومی واقعی بکریوں کی طرح بھاگنے لگتے ہیں۔ پس کیا جو آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں۔ وہ زبان پر نہ لاؤں۔

ملکہ۔ ہر بات زبان پر لانے کی نہیں ہوتی۔

جوزلیفائن۔ خداوند مسیح کا تو یہ قول ہے کہ "تو اپنی زبان کو دل کے خلاف نہ کر۔"

ملکہ۔ خداوند کا یہ قول ہوگا۔ لیکن مسیحی رہنما تو یہ کہتے ہیں کہ تم اپنے دل کے گناہوں اور سینہ کے رازوں کو ہمارے سوا کسی سے مت کہو۔

یہ الفاظ سنکر جوزلیفائن کے قلب میں تیر سا لگا۔ اور اس کی آنکھوں کے سامنے وہ حیا سوز اور خوفناک نقشہ آگیا۔ جبکہ ایک بطریق نے جوزلیفائن کو اپنی خوابگاہ میں بلایا تھا۔ اور اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر آغوش کی طرف کھینچنا چاہتا تھا کہ یہ تڑپ کر نکل گئی (یہ مفصل واقعہ حصہ اول میں درج ہے)

ملکہ نے جب دیکھا کہ جوزلیفائن یک بیک خاموش ہوگئی اور چہرہ غصہ سے سرخ ہوگیا تو وہ گھبرا گئی اور اس نے نہایت پیار کے لہجہ میں کہا کہ:۔

"جوزلیفائن، کیا باتوں باتوں میں غصہ آگیا"

جوزلیفائن۔ (آہ سرد کھینچکر) نہیں اماں جان! غصہ نہیں آیا۔ ہاں تمھاری بدنصیب بیٹی کو ایک واقعہ یاد آگیا۔

ملکہ۔ وہ واقعہ کیا ہے۔ جس سے تمھارے چہرہ کی شگفتگی خشونت کی سُرخی سے بدل گئی۔

جوزلیفائن۔ اماں جان یہ راز بھی نہ بتاؤں گی۔ اور شاید یہ راز میرے ساتھ

قبر میں جائے گا۔

ملکہ۔ شہزادی مجھ سے کوئی راز نہ چھپاؤ۔ آخر وہ کیا واقعہ ہے؟

جوزلفائن۔ اماں جان اسی واقعہ نے میرے خیالات و عقائد کی دنیا کو زیر وزبر کر دیا ہے۔ اور میں ایک لمحہ کے لئے بھی ایسے مذہب میں رہنا پسند نہیں کرتی جہاں بھیڑئے لباس میں خونخوار بھیڑیئے یا مقدس رہنماؤں کے بیکر میں شیاطین اپنی ہوا و ہوس کو پورا کر رہے ہیں۔ ملکہ تجربہ کار تھی۔ اور مسیحی رہنماؤں کے واقعات اس کے بھی گوش گذار ہو چکے تھے۔ لہذا یہ جملے سنکر خاموش ہو گئی۔

فتح یرموک

اگرچہ مسلمان نہایت شجاعت سے جنگ کر رہے تھے لیکن اب تک لڑائی کے دونوں پہلو برابر تھے بلکہ غلبہ کا پہلو رومیوں کی طرف تھا۔ دفعتہً قیس بن ہبیرہ جن کو حضرت خالد نے فوج کا ایک حصہ دے کر میسرہ کی پشت پر مقرر کر دیا تھا۔ عقب سے نکلے اور اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ رومی افسروں نے بہت سنبھالا۔ مگر فوج سنبھل نہ سکی۔ تمام صفیں ابتر ہو گئیں۔ اور گھبرا کر پیچھے ہٹیں۔ ساتھ ہی سعید بن زید نے عقب سے نکل کر حملہ کیا۔ رومی دور تک پسپا ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ میدان کے سرے پر جو نالہ تھا اس کے کنارے تک آ گئے۔ اب غازیان اسلام کے حملہ کی شدت اور بڑھ گئی تھی۔ یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں رومیوں کی لاشوں سے وہ نالہ بھر گیا اور میدان خالی ہو گیا۔

اس جنگ کا یہ واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ جس وقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی تو حباش بن قیس جو ایک بہادر سپاہی تھے بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ اسی اثنا میں کسی رومی نے ان کے پاؤں میں تلوار ماری تو ایک پاؤں کٹ کر گر گیا۔ حباش جنگ میں اس قدر محو تھے کہ خبر تک نہ ہوئی۔ جب غنیم سے میدان خالی ہو گیا۔ اور حباش کو اطمینان ہو گیا تو ڈھونڈتے پھرتے تھے کہ

میرا پاؤں کہاں گیا۔
اس جانفروشانہ محویت پمان کے قبیلہ کے لوگ ہمیشہ فخر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اسی قبیلہ کے بعض شعرا نے اس واقعہ پر قصیدے لکھے اور شعر کہے۔
ایک شاعر نے کہا کہ :۔
"ہم وہ ہیں جو کٹنے کے بعد اپنا پاؤں تک نہیں باندھتے اور ہم وہ ہیں کہ لڑائی میں مستحکم پہاڑ کی مانند کھڑے رہتے ہیں"
رومیوں کے جس قدر آدمی مارے گئے ان کی تعداد میں مورخین کا اختلاف ہے لیکن طبری کا بیان ہے کہ ایک لاکھ سے زیادہ مقتول ہوئے اور مسلمان صرف تین ہزار شہید ہوئے۔
جب رومی فوج سے میدان خالی ہوا۔ تو جوزیفائن۔ ملکہ روم اور ضرار ــــ حسین سوار کی طرف بڑھے۔ اگرچہ حسین سوار زخمی ہو گیا تھا لیکن فتح کی خوشی میں وہ زخموں کی تکلیف محسوس نہیں کرتا تھا۔ جوزیفائن نے قریب پہونچکر کہا کہ :۔
"حسین سوار کو فتح مبارک ہو"
حسین سوار کو جوزیفائن کے میدان جنگ میں آنے کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ اس لئے اس نے کچھ پرواہ نہیں کی۔ یہاں تک کہ یہ تینوں اور زیادہ قریب پہونچ گئے اور جوزیفائن نے پھر اسی جملہ کو دہرایا اور کہا کہ :۔
"حسین سوار کو فتح مبارک ہو"
اب حسین سوار نے سر اٹھا کر دیکھا تو تینوں کو پہچان لیا اور کہا کہ :۔
"جوزیفائن کیا تم یہاں مبارک باد دینے آئی تھیں؟"
جوزیفائن ۔ جی ہاں مبارک باد دینے اور ایک طوطا چشم مغرور کو تلاش کرنے۔
حسین سوار ۔ میں اس الزام کو تسلیم کرتا ہوں اور عذر خواہ ہوں کہ میں تمہیں خبر کر کے نہیں آیا۔
جوزیفائن ۔ اگر خبر کر کے بھی آتے تو کیا ہوتا۔ بے نیازی اور جفا کاری تو آپ

کی عادت ہے۔

حسین سوار۔ نہیں شہزادی میں جفاکار نہیں اور نہ بے نیازی میرا شیوہ ہے۔

جوزلیفائن۔ اگر آپ جفاکار نہیں تو کیا وفاشعار ہیں؟ اور بے نیاز نہیں تو کیا نیازمند ہیں۔

حسین سوار۔ میں تو ایسا ہی خیال کرتا ہوں۔

جوزلیفائن۔ وفاشعاری اور نیازمندی پر تو استغنا و لاپروائی کا یہ عالم ہے۔ اگر جفاکار ہوتے تو خدا جانے کیا قیامت برپا کرتے۔

حسین سوار۔ میں غزوہ کی خبر سنکر جوش جہاد میں چلا آیا اور تمہیں خبر نہ کی اس پر میں فی الحقیقت بحد شرمندہ ہوں اور معافی طلب کر چکا ہوں۔

جوزلیفائن۔ (مسکراکر) خیر آپ کا قصور تو بہت بڑا ہے۔ لیکن ایک شرط کے ساتھ معافی دے سکتی ہوں۔

حسین سوار۔ وہ کیا شرط ہے۔؟

جوزلیفائن۔ بس یہ کہ اپنے ساتھ عقد کے دو بول پڑھوا لو۔ اور اب زیادہ دیر نہ لگاؤ۔ میں مسیحی مذہب میں ایک لمحہ بھی گذارنا نہیں چاہتی۔

حسین سوار۔ (کچھ سوچکر) اچھا اب یہاں سے چلیے۔ آپ کا لشکر یہاں سے بہت دور ہے۔ شب بھر اسلامی چھاؤنی میں ہم غریبوں کے ساتھ قیام فرمایئے۔ اطمینان سے اس مسئلہ پر بھی گفتگو ہوگی۔

یہ سنکر جوزلیفائن بہت مسرور ہوئی۔ اور اس کی امیدوں کا مرجھایا ہوا باغ ایک مرتبہ پھر ہرا ہوگیا۔ اور یہ سب اسلامی چھاؤنی کی طرف روانہ ہوئے۔

چھاؤنی کی رات

رات کا ایک حصہ گذر چکا ہے۔ مسلمان سپاہی نماز عشاء سے بھی فارغ ہو گئے ہیں۔ لیکن ابوعبیدہ کی چھاؤنی میں پوری چہل پہل ہے۔ اگرچہ آج کی

فیصلہ کن جنگ نے ہر سپاہی کو حد سے زیادہ تھکا دیا ہے۔ اور اس کا جسم چور چور ہے۔ لیکن فتح یرموک کی مسرت وشادمانی سے ہر شخص بے خود ہے۔ اور اس لئے اس پر نیند حرام ہو گئی ہے۔ فوج کا ایک حصہ اور کچھ افسر شہر میں داخل ہو چکے ہیں۔ اور کچھ ابھی تک چھاؤنی میں موجود ہیں۔ کہ کہیں غنیم لوٹ کر شب خون نہ مارے۔
حسین سوار، اس کے بھائی ضرار، ملکہ روم اور جوزلیفائن چھاؤنی کے ایک خیمہ میں موجود ہیں۔

ملکۂ روم کئی معرکوں میں چشم دید حالات کی بنا پر یہ یقین کر چکی ہے کہ اسلامی فوج سے رومی جیت نہیں سکتے۔ اور ان کا مقابلہ کرنا فضول ہے۔ تاہم رومی فوج کی شکست کا اس پر عمیق اثر ہے۔ اور وہ خیمہ میں ایک طرف منہ لپیٹے خاموش پڑی ہے۔ وہ اس وقت مسلمانوں کی فوج میں اپنے قیام کو انتہائی ذلت سمجھتی ہے لیکن اکلوتی بیٹی جوزلیفائن کی محبت نے اسے یہ ذلت سہنے پر آمادہ کر دیا ہے۔ اور وہ ایک لمحہ کے لئے بھی لخت جگر سے جدا ہونا نہیں چاہتی۔ ایک دوسرے گوشہ میں ضرار بھی تھک کر سو گئے ہیں۔ جوزلیفائن اگرچہ رومی سلطنت کا واحد چراغ ہے۔ اور قیصر کے بعد رومی تاج و تخت اسی کا حصہ ہے لیکن اسلامی فضیلت، مسلمانوں کی اخلاقی عظمت اور حسین سوار کی محبت اس کے قلب میں اس قدر راسخ ہو گئی ہے کہ اس پر رومی شکست کا مطلقاً اثر نہیں۔ بلکہ اسلامی فتح کی مسرت سے اس کا چہرہ بھی شگفتہ ہو گیا ہے۔ اور وہ مسکرا مسکرا کر حسین سوار سے باتیں کر رہی ہے۔ ایک مرتبہ دوران گفتگو میں حسین سوار کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ اور کہا کہ:۔

"میرے سوار یہ فتح آپ کو مبارک ہو"

حسین سوار۔ یہ فتح سوار کی نہیں بلکہ ایک نازنین کی ہے۔

جوزلیفائن۔ (ذرا اٹھلا کر) وہ نازنین کون ہے۔؟

حسین سوار۔ جو میرے سامنے موجود ہے۔

جوزیفائن۔ یعنی میں

حسین سوار۔ جی ہاں۔

جوزیفائن۔ کاش کہ ایسا ہوتا لیکن قسمت میں یہ کہاں ہے۔

حسین سوار۔ آپ کی قسمت میں سب کچھ ہے۔ اور اس پر خدا کا شکر ادا کیجئے۔

جوزیفائن۔ میری قسمت میں سب کچھ ہے۔ لیکن صرف تم نہیں ہو۔ اور تمھارے نہ ہونے سے میں سمجھتی ہوں کہ میری قسمت میں کچھ بھی نہیں۔

حسین سوار۔ میں تمھارے لئے ہوں اور ضرور ہوں لیکن اس قدر بے صبری کا اظہار نہ کرو۔

جوزیفائن۔ اس قدر مدت گذر گئی۔ اتنے وعدے ٹل گئے، منتیں کرتے کرتے ہاتھ ٹوٹ گئے۔ اور زبان تھک گئی۔ اس پر بھی میں بے صبر ہوں۔ خدا ایسی بے صبری تمہیں بھی عطا کرے۔ اور میری طرح تم بھی کسی بیدرد ولا پروا کے انتظار میں اپنی راتیں بسر کرو۔

حسین سوار۔ میں تو اب بھی تمھارے انتظار میں راتیں بسر کرتا ہوں۔ لہذا تم سے زیادہ لاپروا اور بیدرد کون ہوگا۔ کہ تم کو میرے انتظار کی خبر تک نہیں

جوزیفائن۔ جی ہاں، ایک بیمار غم کو بستر مرگ پر چھوڑ کر چلے جانا اور مہینوں تک اس کی خبر نہ لینا یہ آپ کے انتظار کی سب سے پہلی دلیل ہے۔

حسین سوار۔ اچھا اگر انتظار نہ ہوتا تو میں انطاکیہ کیوں جاتا اور آپ سے وہ باتیں کیوں کرتا۔ جن کا ایک ایک فقرہ کتاب محبت کا ایک مستقل باب ہے۔

جوزیفائن۔ لیکن اس کے بعد چھوڑ کر چلے آنا اور اپنے آنے کی خبر تک نہ کرنا یہ بھی شاید آپ کی کتاب محبت کا کوئی آئین ہے۔

حسین سوار۔ ایک صاف دل مومن کی طرح مجھے اس کا اعتراف ہے کہ آپ کی محبت سب پر غالب ہے۔ لیکن خدا کی محبت پر غالب نہیں۔ جب غزوہ فی سبیل اللہ کی

آواز کانوں میں آئی۔ تو میں بلا توقف میدان غزا کی طرف چلا آیا۔

جوزلیفائن۔ میں اگرچہ بظاہر اب تک مسیحی ہوں۔ تاہم دل سے یہی چاہتی ہوں کہ آپ اسلامی عقیدہ پر ہمیشہ قولاً و عملاً قائم رہیں لیکن خدا کی محبت کا دعویٰ کرنا۔ اور خدا کا حکم نہ ماننا اور اس کے بندوں کو آتش ہجر میں جلا جلا کر خاک کرنا یہ کونسی شریعت کا حکم ہے؟

حسین سوار۔ میں نے خدا کے کس حکم سے سرتابی کی؟ یاد دلایئے۔ انشاءاللہ جب تک جان میں جان ہے۔ اسے پورا کروں گا۔

جوزلیفائن۔ اچھا اب ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر قول ہاریئے۔ تو میں یاد دلاؤں۔ یہ کہہ کر روم کی نازنین نے اپنا نازک و خوبصورت ہاتھ آگے بڑھایا۔ اور حسین سوار نے اپنا ہاتھ اس پر رکھ کر اقرار کیا کہ میں خدا کے حکم کی تعمیل سر و آنکھوں سے کروں گا۔

سینہ کا راز

اس قول و قرار کے بعد جوزلیفائن نے کہا کہ:۔

"کیا میں نے آپ سے متعدد بار یہ نہیں کہا کہ مجھے دین محمدی میں شامل کیجیے۔ اور اس کے بعد حبالہ عقد میں لایئے لیکن آپ ہمیشہ کوئی نہ کوئی حیلہ کر کے ٹال دیتے رہے۔ پس کیا یہ حکم خداوندی کی صریح خلاف ورزی نہیں ہے"؟

حسین سوار نے یہ سنکر ٹھنڈا سانس لیا اور گردن جھکالی۔ جوزلیفائن نے جواب کا انتظار کیا اور جب جواب نہ ملا تو کہا۔

"کیا میں نے غلط کہا؟ اور کیا اس قول و قرار کے بعد بھی اس پر عمل نہ کریں گے"؟

اس کے بعد حسین سوار خاموش رہا۔

آخر کار جوزلیفائن نے اپنی نازک انگلیوں سے حسین سوار کا سر اٹھایا اور کہا۔
"خاموش کیوں ہو گئے ؟"
اتنا کہا تھا کہ جوزلیفائن یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئی۔ کہ حسین سوار کی آنکھیں سرخ ہیں۔ اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں۔ جوزلیفائن نے پھر کہا کہ :۔
"روتے کیوں ہو۔ میں کسی ممنوع و حرام فعل پر تو مجبور نہیں کرتی ؟"
حسین سوار۔ (روتی ہوئی آواز سے) میری دلی آرام! عقد کرنا ممنوع نہیں ہے لیکن قوی مانع موجود ہے۔
جوزلیفائن۔ کیا آپ کی دوسری بی بی موجود ہیں ؟ اگر ایسا ہے تو میں ان کی خادمہ بن کر رہوں گی۔
حسین سوار۔ نہیں۔
جوزلیفائن۔ تو کیا میں بدصورت اور قابل نفرت ہوں۔ ؟
حسین سوار۔ نہیں۔
جوزلیفائن۔ تو کیا میں بداخلاق و بدچلن ہوں۔
حسین سوار۔ ہرگز نہیں۔
جوزلیفائن۔ تو پھر کیا میرے عقد کرنے سے آپ کے قبیلہ کے لوگ آپ سے جدا ہو جائیں گے۔
حسین سوار۔ اس کا بھی خطرہ نہیں۔
جوزلیفائن۔ پھر وہ کونسا مانع ہے ؟ جو میری آرزوؤں کی راہ میں دوزخ کی طرح حائل ہے۔
حسین سوار۔ آہ یہی تو وہ سینہ کا راز ہے جو میں ظاہر نہیں کر سکتا۔
جوزلیفائن۔ (سر پیٹ کر) آخر وہ سینہ کا راز کیا ہے جو سالہا سال سے اب تک ظاہر نہیں ہوتا۔ مجھے شبہ ہوتا ہے کہ وہ صرف ٹالنے کا حیلہ ہے۔
حسین سوار۔ خدائے واحد کی قسم یہ کوئی حیلہ نہیں بلکہ ایک واقعہ ہے۔

جوزیفائن ۔ یہ عجیب واقعہ ہے جو ظاہر نہیں کیا جاتا ہے ۔ اور ہمیشہ سینہ کا راز کہہ کر جان چھڑائی جاتی ہے ۔

حسین سوار ۔ خدا کی قسم یہ جان چھڑانے کی بات نہیں ۔

جوزیفائن ۔ آپ بار بار قسمیں کھاتے ہیں ۔ لیکن میں بھی خدا کی قسم کھا کر عرض کرتی ہوں کہ اس سے مجھے سخت الجھن ہوتی ہے ۔ اور جان سی نکلنے لگتی ہے ۔ کہ نہ صاف انکار کرتے ہو ۔ اور نہ سینہ کا راز بتاتے ہو ۔

حسین سوار ۔ اگر یہ راز فاش ہو گیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ تمہارے رنج و محن میں اور اضافہ ہو جائے گا ۔

جوزیفائن ۔ لیکن وہ اضافہ انتظار کی تکالیف سے کم ہوگا ۔ جو بلا مبالغہ میرے لئے موت و نزاع کی تکلیف سے کسی طرح کم نہیں ۔

حسین سوار ۔ مجھے خطرہ ہے کہ افشائے راز کے بعد تمہاری جان خطرہ میں پڑ جائے ۔

جوزیفائن ۔ کاش کہ ایسا ہو تو یہ زیادہ بہتر ہے کہ مر کر ایک مرتبہ نجات تو مل جائے گی ۔

حسین سوار ۔ تمہارے دشمنوں کی یہ موت تنہا تمہاری موت نہ ہوگی ۔ بلکہ میں بھی زندہ نہیں رہ سکتا ۔

جوزیفائن ۔ اگر آپ کو مجھ سے اس قدر الفت ہے کہ میرے مرنے کے بعد آپ بھی زندہ نہیں رہ سکتے ۔ تو یہ آپ کو کیسے گوارا ہے کہ میں موت سے زیادہ سخت انتظار کے دوزخ میں ہر وقت جل جل کر کباب ہوتی رہوں ۔ اور آپ مزے اڑاتے رہیں ۔

حسین سوار ۔ مزے نہیں اڑاتا ۔ کیونکہ مجھے بھی ایسی ہی تکلیف ہوتی ہے جیسی آپ کو لیکن کچھ مجبوریاں ہیں اگر وہ رفع ہو جائیں ۔ تو پھر سب کچھ افشا ہو جائے گا ۔ اور اس میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہ ہوگی ۔

جوزیفائن ۔ اچھا تو آپ ایک مدت مقرر فرما دیجئے کہ اتنے عرصہ کے بعد یہ "سینہ کا راز" ظاہر کر دیا جائے گا۔

حسین سوار ۔ مدت معین کرنی بھی میرے اختیار سے باہر ہے۔ بہت ممکن ہے کہ حالات ایک ہفتہ کے اندر ہی یہ راز فاش کرنے کی اجازت دیدیں۔ اور ممکن ہے کہ کئی ماہ گذر جائیں۔

جوزیفائن ۔ یہ سینہ پر ایک دوسرا پتھر رکھدیا۔

حسین سوار ۔ شہزادی صاحبہ میں یقین دلاتا ہوں کہ تم میری آنکھوں کا نور اور دل کا چین ہو۔ تمھارے سینہ کا پتھر میرے سینہ کا پتھر اور تمھارے جگر کا کانٹا میرے جگر کا کانٹا ہے۔ مگر میں کیا کروں کہ مجبور ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ جہاں تک میرے امکان میں ہے۔ میں پوری سعی کروں گا۔ کہ میری اور تمھاری زندگی نہایت اطمینان سے گذرے۔ اور ہم دونوں تا حیات جدا نہ ہوں۔

جوزیفائن ۔ آپ کے الفاظ نے تاریک دنیا کو روشن کر دیا اور ڈوبتی ہوئی کشتی کو سنبھال لیا۔ میں کوشش کروں گی۔ کہ آپ کے ان الفاظ کو تعویذ کی طرح حرز جان بناؤں لیکن قسم کھاؤ کہ ان الفاظ کو پورا کروگے۔

حسین سوار ۔ میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ جب حالات اجازت دیں گے تو میں پہلی فرصت میں اس پر عمل کروں گا۔

قیصر پر شکست کا اثر

انطاکیہ میں قیصر کو رومی فتوحات کی خبریں پہونچ رہی تھیں۔ ملکہ جوزیفائن کو ہمراہ لے کر میدان جنگ میں پہونچ چکی تھی۔ اور قیصر سمجھ رہا تھا کہ ملکۂ روم کی موجودگی نے رومی فوج میں ایک نئی روح پھونک دی ہوگی۔ لہذا وہ پہلے سے بہت زیادہ مسرور تھا۔ اور یہ جانتا تھا کہ یرموک میں عربی طاقت پاش پاش ہو جائے گی۔ وہ ایک روز دربار میں بیٹھا تھا اور چند امراء گرد و پیش موجود تھے۔

قیصر نے والہانہ مسرت کے ساتھ کہا۔

"رومی فوج نہایت بہادری سے لڑ رہی ہے اور وہ عنقریب وحشی عربوں کو شام کی مقدس سرزمین سے نکال دے گی"۔

ایک امیر۔ شہنشاہ روم کا اقبال سلامت ہے۔ تو عربوں کی رومی بہادروں کے سامنے کیا حقیقت ہے۔

دوسرا امیر۔ عالی جاہ! رومی فوج کو کسی مقام پر بھی شکست نہیں ہوئی۔

قیصر۔ یہ تو صحیح نہیں ہے اگر رومی فوج کو شکست نہیں تو اس نے حمص فحل۔ دمشق وغیرہ اہم مقامات کیوں خالی کر دیئے۔

دوسرا امیر۔ حضور والا! یہ تخلیہ شکست کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ یہ بھی ایک تدبیر جنگ تھی۔

قیصر۔ دشمن کئی سو مربع میل کے رقبہ پر قابض ہو جائے اور ہزاروں سپاہیوں کو کاٹ کر ڈال دے۔ پھر بھی وہ تدبیر جنگ ہے۔ اور کوئی شکست نہیں۔

دوسرا امیر۔ عالی جاہا! میں تو گیتی پناہ کو خوش کرنے کے لئے یہ عرض کر رہا تھا۔

قیصر۔ تم بڑے خوشامدی ہو۔ یاد رکھو اس قسم کی خوشامد ہی گمراہ کرتی ہے۔

دوسرا امیر یہ سنکر خاموش ہو گیا۔ اور تیسرا امیر ہاتھ جوڑ کر اس طرح گویا ہوا کہ:۔

"جو کچھ ہوا وہ گذر گیا۔ برے ایام کا تذکرہ بھی برا ہے۔ اب تو خداوند مسیح کی برکت سے ظل الٰہی کی فوج فتحیاب ہو رہی ہے۔ اور امید ہے کہ آج کل میں ہی سن لیں گے۔ کہ ہمارے ملک سے عرب نکل گئے۔

قیصر۔ یہ تم سچ کہتے ہو۔ اور خداوند خدا کی برکت اور کنواری مریم کی دعا سے امید ہے کہ ایسا ہی ہو گا۔

تیسرا امیر۔ جب یہ مژدہ جانفزا کانوں میں پہونچے تو فوراً ایک جشن

منایا جائے تاکہ زمانہ جنگ کی ساری کلفتیں دُور ہو جائیں۔

چوتھا امیر۔ عالی جاہا! یہ جشن ایک ہفتہ تک منایا جائے۔

قیصر۔ میرا خیال ہے کہ جشن پندرہ روز تک رہے۔ گرجاؤں میں خوب کنواری مریم اور خداوند یسوع مسیح کے گیت گائے جائیں۔ نیز مسلسل چراغاں کیا جائے۔ اور مسیح کے نام پر شرابیں پی جائیں۔

ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ یرموک سے ایک قاصد پہونچا۔ اور اس نے عرض کیا کہ وہ رومی سپہ سالار کا سربمہر خریطہ لایا ہے۔

قیصر نے یہ خبر سنتے ہی قاصد کو دربار میں حاضر ہونے کی اجازت دی اور اسے یقین ہو گیا کہ خداوند مسیح نے دعا قبول کر لی۔ اور یرموک سے عرب بھاگ گئے۔

نہ صرف قیصر بلکہ تمام امراء یہ مژدۂ جانفزا سننے کے لئے گوش برآواز تھے۔ کہ قاصد دربار میں حاضر ہوا لیکن اس کے چہرہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اور حزن وملال کی عبرت انگیز تصویر بنا ہوا تھا۔ وہ خریطہ پیش کر کے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ اسے پڑھنے لگا۔ قیصر نے ابھی چند سطور ہی پڑھی تھیں۔ کہ اس کے چہرہ کا رنگ بھی متغیر ہو گیا۔

امراء یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ اور آپس میں سرگوشیاں ہو رہی تھیں۔

ایک نے کہا:۔ قاصد بھی پریشان ہے۔ اور قیصر کا رنگ بھی بدل گیا۔ خدا خیر کرے۔

دوسرے نے کہا:۔ شک کرنے کا کوئی محل نہیں۔ فتح یقینی ہے اور قاصد صعوبت سفر کی وجہ سے پریشان ہے۔

تیسرے نے کہا:۔ خدا ایسا ہی کرے۔ مگر بظاہر آثار اس کے خلاف ہیں۔

ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ قیصر نے خط کو زمین پر پھینک دیا۔ اور پیشانی

پر ہاتھ مار کر کہا۔ "آہ قسمت پھوٹ گئی اور ساری تمناؤں پر بجلی گر پڑی"
یہ الفاظ قیصر کے منہ سے نکلے ہی تھے۔ کہ تمام دربار میں سناٹا چھا گیا۔ اور حیرت واستعجاب سے ایک دوسرے کے منہ کو تکنے لگا۔ آخر کار وزیر اعظم نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ :۔

"اگر اجازت ہو تو یہ خط خدام سلطنت کو سنا دیا جائے۔ جو اس وقت حاضر ہیں۔ قیصر نے اجازت دی۔ اور وزیر اعظم نے خط پڑھ کر سنایا جسمیں لکھا تھا کہ :۔

"رومی فوج عربوں کو پسپا کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ ان کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔ اور قریب تھا کہ وہ میدان سے فرار ہو جائیں۔ لیکن ایک حسین سوار کی شجاعت، مسلم خواتین اور عرب سرداروں کی جوانمردی نے اکھڑے ہوئے قدم پھر جما دیئے۔ اور انھوں نے اس شدت سے مقابلہ کیا کہ رومی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ایک اور مسلمان افسر نے رومی لشکر کے میمنہ پر اس زور سے حملہ کیا کہ وہ تباہ ہوگیا۔ یہاں تک کہ تمام صفیں ٹوٹ گئیں۔ رومی فوج کی بہت بڑی تعداد تباہ ہوگئی۔ اور جو باقی بچی وہ فرار ہوگئی۔ اب یرموک پر اسلامی فوج کا قبضہ ہے"

اس خط کو سنکر تمام امراء کانپ اٹھے۔ اور ان کی نگاہ میں دنیا تاریک ہوگئی۔ قیصر نے انطاکیہ چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور وہ ہمیشہ کے لئے یہ کہکر قسطنطنیہ چلا گیا کہ :۔

"الوداع اے شام الوداع"

فاروق اعظم پر فتح یرموک کا اثر

مدینہ منورہ کے ایک معمولی مکان میں حضرت فاروق اعظم رضؓ تشریف فرما ہیں۔ چند صحابہ رضؓ اردگرد بیٹھے ہیں۔ ابھی ابھی ایک قاصد یرموک سے پہونچا ہے۔ اس

نے سر بمہر خریطہ پیش کیا۔ امیر المومنین نے کھول کر پڑھا۔ تو چہرہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اور آنکھیں پرنم ہوگئیں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یرموک میں کیا ہوا۔؟
فاروق اعظم نے خط پڑھ کر سنایا جس میں لکھا تھا۔ کہ۔
"ہماری فوج نے نہایت جانبازی سے مقابلہ کیا لیکن ہماری تعداد بہت کم ہے اور رومیوں کے پاس سازوسامان بھی بہت زیادہ ہے تاہم غازیان اسلام نے اپنی شجاعت و دلیری کے خوب جوہر دکھائے لیکن اسلامی فوج کا میمنہ تباہ ہوگیا۔ اور اس کے پاؤں اکھڑ گئے۔ سرداران فوج مفرورین کو سنبھالنے کی سعی کر رہے ہیں۔ لیکن اس وقت ہماری فوج کے قدم نہیں جمے۔ وہ برابر پسپا ہو رہی ہے۔ کمک اور سامان جنگ جلد سے جلد بھیجیئے"
اس خط کو پڑھ کر ہر شخص کو افسوس ہوا۔ لیکن ہمت پست نہیں ہوئی۔ ایک صحابی نے کڑک کر کہا کہ:۔
"اس میں رنج کی کیا بات ہے۔ ہم نئی فوج لے کر جائیں گے۔ یا وہ سب کی سب شہید ہو جائے گی۔ اور یا پھر کل شام کو فتح کر کے واپس آئیں گے"
دوسرے صحابی۔ امیر المومنین! آپ خدا کے سامنے دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھائیے۔ اور ہم تلواریں ہاتھ میں لے کر ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ کہ:۔
"اے خدا فتح یا موت"
تیسرے صحابی۔ غزوہ بدر میں پہلے مسلمانوں کی شکست ہوئی تھی۔ اور اس کے بعد پھر ایسی فتح ہوئی کہ کافروں کی پوری قوت تباہ ہوگئی۔ پس کیا عجب ہے کہ خداوند تعالیٰ اس شکست کے بعد ہی ایسی فتح عطا کرے جو رومیوں کی طاقت کو پارہ پارہ کر دے۔
ایک اور صحابی۔ امیر المومنین آپ کوئی فکر نہ کیجئے۔ اگر خدانخواستہ کل اسلامی فوج بھی واپس نہ آسکی تو میں تنہا جاؤں گا۔ اور رومی سورماؤں کا مقابلہ کروں گا۔

غرضکہ تمام صحابہ نے یہ خبر سنکر اپنی فطری شجاعت کا اظہار کیا۔ ہر ایک کی رگیں جوش سے پھول گئیں۔ اور چہرے سرخ ہو گئے۔ امیر المومنین نے یہ جوش دیکھ کر کہا کہ۔

"خدا کی قسم جب تک مسلمانوں میں یہ جوش قائم ہے۔ انھیں رب العزت کبھی کافروں کے سامنے ذلیل نہ کرے گا"

اس قدر گفتگو کے بعد یہ مجلس ختم ہو گئی۔ امیر المومنین اپنے حرم خانہ میں تشریف لے گئے۔ اور صحابہ رخصت ہو کر اپنے مکانوں اور قبائل میں چلے گئے۔ کہ جدید فوج بھرتی کرنے کی سعی کریں۔

ابھی چند گھنٹے گذرے ہوں گے کہ ایک اور قاصد یرموک سے بارگاہ خلافت میں حاضر ہوا۔ یہ ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار تھا اور چہرے پر مسرت و شادمانی کے آثار نمایاں تھے۔ امیر المومنین کو حرم خانہ میں قاصد کے پہونچنے کی اطلاع ملی تو آپ فوراً تشریف لے آئے۔ سر برہنہ تھا اور سیاہ کمبل کا قمیص پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے سوار سے خریطہ لے کر پڑھا۔ پڑھتے ہی آپ سجدہ میں گر گئے۔ اور دیر تک روتے رہے سجدہ سے سر اٹھایا۔ تو اپنے رفقار کو جو ابھی رخصت ہو کر اپنے مکانوں کو واپس گئے تھے۔ طلب فرمایا۔ وہ فوراً پہونچے اور سمجھ گئے کہ یقیناً کوئی ناگہانی واقعہ پیش آیا ہے۔

جب یہ حضرات پہونچے تو آپ نے حضرت ابوعبیدہ کا نامہ فتح پڑھ کر سنایا۔ جس میں لکھا تھا کہ:۔

"بدر و حنین کے خدا نے یرموک کی ہوا بھی بدل دی۔ اور چند گھنٹے کے بعد جو فتح غنیم کی مٹھی میں تھی وہ ہمارے قبضہ میں آگئی۔ یہاں تک کہ رومی فوج کا بہت بڑا حصہ تباہ و برباد ہو گیا۔ جو باقی بچی وہ فرار ہو گئی۔ اور اب شہر یرموک ہمارے قبضہ میں ہے۔ جس پر ہلالی پرچم لہرا رہا ہے۔ اور اس کی دیواریں اللہ اکبر کے غلغلہ انداز نعروں سے گونج رہی ہیں"

اس خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ میں حذیفہ بن الیمان کی زیر سرکردگی ایک مختصر سی سفارت بھی بھیج رہا ہوں۔ جو امیر المومنین کو جنگ کے حالات سنائے گی۔ اور مفصلاً یہ بتائے گی کہ یہ فتح مسلمانوں نے کس طرح حاصل کی اور اُن کی اجڑی ہوئی تمناؤں کا باغ پھر کس طرح سرسبز ہوا۔ حضرت عمرؓ کئی روز سے سوئے نہ تھے۔ یہ پڑھ کر پھر ایک مرتبہ سجدہ میں گر گئے۔ اور آپ کے ہمراہ باقی صحابہ بھی سربسجود ہو گئے۔ اور دیر تک رو رو کر بارگاہ خداوندی میں شکریہ ادا کیا۔

مدینہ میں سفارت

اگرچہ آفتاب خط نصف النہار سے ڈھل چکا ہے۔ مگر دھوپ کی تمازت کم نہیں ہوئی چلچلاتی ہوئی دھوپ پڑ رہی ہے۔ پہاڑیاں گرم ہو گئی ہیں۔ اور سنگلاخ زمین اچھی طرح تپ رہی ہے۔ مرغان ہوائی اپنے گھونسلوں میں چھپے بیٹھے ہیں۔ اور شدت گرمی سے ان کی چونچیں کشادہ ہیں۔ اس وقت مدینہ منورہ سے جوق در جوق لوگ جنگل کی طرف جا رہے ہیں۔ ان میں بہت سے برہنہ پا ہیں۔ اور جب ان کا پاؤں تپتے ہوئے ریت یا گرم پتھر پر پڑتا ہے تو آبلہ پڑ جاتا ہے۔ وہ کبھی پاؤں اٹھا لیتے ہیں۔ اور کبھی وہیں بیٹھ جاتے ہیں لیکن خدا جانے کس کا ولولۂ شوق انھیں آبادی سے جنگل کی طرف کھینچ رہا ہے۔ کہ اس چلچلاتی دھوپ کی ذرا پرواہ نہیں کرتے اور ہانپتے ہوئے برابر چلے جا رہے ہیں۔ اسی طرح یہ جم غفیر مدینہ منورہ سے کئی میل اس سڑک پر چلا گیا۔ جو شام کی طرف جاتی ہے۔ کچھ عرصے کے بعد سامنے سے گرد اڑتی ہوئی نظر آئی۔ اور اس مجمع نے ایک غلغلہ انداز نعرہ بلند کیا کہ:۔

"یرموک کے مسافر وہ آ گئے"

اِدھر سے یہ بڑھے، اُدھر سے وہ آئے تو معلوم ہوا کہ حذیفہ یمانی ایک اونٹنی پر سوار مع چند رفقاء کے آ رہے ہیں۔ ان کو دیکھ کر مرحباً و اہلاً و سہلاً کے نعرے بلند ہوئے۔ اور پھر سب نے مل کر ایک مرتبہ اللہ اکبر کی صدا اس زور

سے بلند کی کہ گنبد فلک کانپ اٹھا۔ حذلیفہ یمانی اور ان کے ہمراہی خیر مقدم کرنے والوں کو دیکھ کر اتر پڑے۔ اور ہر ایک سے بغلگیر ہو کر ملے۔ یہ بھی عجیب وقت تھا کہ مدینہ منورہ کے باشندے غازیان شام کے ہاتھوں کو چوم رہے تھے۔ اور یرموک کے مسافر اہل مدینہ کے ہاتھوں کو بوسہ دے رہے تھے کہ انھوں نے گنبد خضرا کی جالیوں کو مس کیا ہے۔ سینوں میں اخلاص و محبت کا سمندر موجیں مار رہا تھا۔ اور اس کا مظاہرہ اعمال ظاہری سے ہو رہا تھا۔ ان میں سے ہر جماعت اپنے تئیں اسلام کا خادم اور دوسرے کو اپنے سے افضل سمجھتی تھی۔ حتیٰ کہ جو لوگ سالہا سال تک اپنے وطن اور اعزا سے دور شام کے جہاد میں مصروف رہے تھے۔ یہ ان کے وہم و گمان میں کبھی نہ تھا کہ وہ مدینہ میں بیٹھنے والے اصحاب سے افضل ہیں۔

ابھی اخلاص و محبت کا یہ دلکش مظاہرہ ختم نہ ہوا تھا کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ فاروق اعظم تشریف لائے۔ اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ایک جم غفیر ان سے پہلے پہونچ چکا ہے۔ امیر المومنین نے دل ہی دل میں خدا کا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا کہ جب تک مسلمانوں میں یہ محبت و اخلاص باقی ہے اس وقت تک برکت و سعادت بھی ان کے ساتھ ہے

امیر المومنین بالکل مساویانہ طریق پر بھائیوں کی طرح حذلیفہ یمانی اور ان کے رفقاء سے ملے اور ملتے ہی فرمایا کہ :-

"تم جہاد فی سبیل اللہ سے واپس آرہے ہو۔ میرے لئے دعا کرو کہ خدا عمرؓ کا خاتمہ سنت رسول صلعم اور کلمۂ شہادت پر کرے"

اس کے بعد یہ سب مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے اور عصر کے وقت آبادی میں پہونچ گئے۔ جو لوگ باہر نہ جاسکے تھے وہ سڑکوں پر کھڑے ہو کر غازیان یرموک کا خیر مقدم کر رہے تھے۔ اور "اہلاً و سہلاً" کہہ کر مبارکباد دے رہے تھے۔ جگہ جگہ پر لوگ مصافحہ اور معانقہ کے لئے بڑھ رہے تھے

تا آنکہ یہ سب جم غفیر جواب بہت زیادہ ہو گیا تھا سب سے پہلے مسجد نبوی میں پہونچا
جب حذیفہ یمانی نے مسجد نبوی میں قدم رکھا تو اللہ اکبر اور اللھم صل علی محمدؐ الخ
کا نعرہ پھر ایک مرتبہ اس زور سے بلند ہوا کہ دشت وجبل گونج اٹھے۔ تقریباً
اکثر نے فرداً فرداً نماز شکرانہ ادا کی۔ اور پھر باجماعت نماز عصر پڑھی۔

دعا سے فارغ ہو کر سب لوگ بیٹھ گئے اور حذیفہ یمانی غزوہ شام اور
فتح یرموک کے حالات بیان کرنے کے لئے منبر پر تشریف لائے۔ اس وقت
ہر شخص کا چہرہ جوش مسرت سے چمک رہا تھا۔ اور والہانہ اشتیاق کے ساتھ
حالات غزا سننے کے لئے سراپا گوش تھا۔

حذیفہ یمانی نے حمد وصلوٰۃ کے بعد جنگ یرموک کے حالات بیان کرنے
شروع کئے۔ جب مسیحی فوج کی کثرت اور سامان جنگ کا حال بیان کیا۔ تو
بہت سے حاضرین کی زبانوں سے بے اختیار نکل گیا کہ:۔

کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ

(بہت سی قلیل التعداد جماعتیں کثیر تعداد جماعتوں پر غالب آجاتی ہیں)
اس کے بعد مسیحی فوج کی حملہ آوری اور اسلامی لشکر کی پسپائی کا ذکر کیا۔
اور پھر کہا کہ:۔

"جب مسلمان پسپا ہو رہے تھے تو ایک حسین سوار فتح کا فرشتہ
بن کر نمودار ہوا۔ خواتین کا لشکر اس کے ساتھ تھا۔ وہ رومیوں کی
صفوں میں گھس گیا اور اس زور سے حملہ کیا کہ ان کے چھکے چھوٹ
گئے۔ خواتین نے مردوں کو جوش دلایا اور کہا کہ اگر تم پسپا ہوئے تو
ڈنڈوں سے تمہارا سر توڑ دیا جائے گا۔ دوسری طرف افسران فوج
بھی جوش دلا رہے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بھاگتی ہوئی فوج رک
گئی۔ اور اس نے قدم جما کر جو رومی فوج پر حملہ کیا تو وہ بالکل تباہ
ہو گئیں۔ اور وہ اس قابل بھی نہیں رہی کہ دوسرے مقام پر بھی

ہمارا مقابلہ کر سکے "

یہ سنکر تمام حاضرین جوش مسرت سے بیخود ہو گئے۔ بار بار اللہ اکبر کے نعرے بلند کرتے تھے اور کہتے جاتے تھے ۔ کہ:۔

"یرموک کی فتح مسلم خواتین کی فتح ہے حسین سوار اور اس کے نسوانی لشکر پر ہزار ہزار رحمتیں ہوں کہ اس نے ڈوبتی کشتی کو سنبھال لیا۔"

اس کے بعد مدینہ منورہ میں حسین سوار کا نام بچہ بچہ کی زبان پر تھا عورتوں میں اس کا تذکرہ ہوتا تھا اور مرد اس کے حالات سنتے تھے مگر اب تک اس پر اسرار ہستی کی حقیقت کسی کو معلوم نہ تھی کہ امیر المومنین نے حضرت ابو عبیدہ کو خط لکھا کہ حسین سوار کو دار الخلافت میں بھیج دیا جائے ۔ یہاں کے باشندے زیارت کے بیحد مشتاق ہیں ۔

مسیحی قبائل کا اسلام میں داخلہ

فتح یرموک کے بعد حضرت ابو عبیدہ حمص سے واپس آگئے ۔ اور حضرت خالد کو شہر قنسرین پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا ۔ شہر والوں نے اول اول مقابلہ کیا لیکن جب غازیان اسلام کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکے تو قلعہ بند ہو گئے ۔ اور لڑائی شروع کی ۔ مگر حملہ آوروں نے یہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا ۔

آخر کار شہر حوالہ کر دیا اور جزیہ دینے کی شرط پر صلح کر لی ۔

قنسرین کی فتح کرنے کے بعد حضرت ابو عبیدہ نے شام کے ایک اور مشہور شہر حلب کا رخ کیا ۔ حلب والوں نے بہادر مسلمانوں کی آمد سنکر قلعہ میں پناہ لی ۔ عیاض بن غنم نے جو مقدمۃ الجیش کے افسر تھے شہر کا محاصرہ کیا ۔ اور چند روز میں یہاں بھی عیسائیوں نے شکست قبول کر لی ۔ اگر مسلمان چاہتے تو قنسرین و حلب سے عیسائیوں کو بالکل نکال دیتے ۔ لیکن جب انھوں نے صلح کے لئے ہاتھ پھیلایا ۔ تو مسلمانوں نے فوراً صلح کر لی ۔ اور اپنی طاقت و قوت

کے عماریں ان کی درخواست کو ٹھکرایا نہیں۔ چنانچہ حلب والوں کے ساتھ بھی ایک معاہدہ قرار پایا جس میں انھوں نے جزیہ دینا قبول کیا اور مسلمانوں نے اس کے معاوضہ میں ان سے جان و مال شہر پناہ۔ مکانات۔ قلعے اور گرجوں کی حفاظت کا وعدہ کیا۔

ان فتوحات نے مسیحیوں کے عقائد پر ایک زبردست ضرب لگائی۔ انھیں یہ یقین دلایا گیا تھا کہ جبتک صلیب کا سایہ تمھارے سروں پر رہے گا کوئی غنیم تم پر فتح نہیں پا سکتا لیکن انھوں نے علانیہ اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ صلیب بردار پادریوں کی فوج کے آگے ہیں۔ اناجیل اربعہ ان کے ہاتھوں میں ہیں لیکن جہاں عرب آگے بڑھے اور یہ "سورما" فرار ہوئے۔ رومی فوج کے سپاہی تو کچھ عرصے ٹھیرتے بھی تھے لیکن یہ "بہادر"، جو لاجی لانبی صلیبیں لئے فوج کے آگے آگے چلتے تھے۔ غازیان اسلام کی صورتیں دیکھتے ہی بھاگ جاتے تھے۔ اس کا عوام پر قدرتی اثر یہ ہوا کہ پادریوں کے وعظ اور ان کے وعدے محض خیالی ڈھکوسلے ہیں۔ اگر صلیب میں واقعی کوئی اثر ہوتا تو صلیب بردار سورما سب سے پہلے میدان جنگ میں فرار نہ ہوتے۔

مذہبی پیشواؤں نے رومی سپاہیوں کو یہ بھی یقین دلایا تھا کہ ہر صلیب کی حفاظت کے لئے خداوند مسیح نے ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے۔ جب غنیم کسی صلیب بردار سپاہی کی طرف آئے گا۔ تو وہ فرشتہ تلوار لیے کر آگے بڑھے گا۔ اور اسے قتل کر دیگا۔ لیکن میدان جنگ میں لاکھوں صلیب بردار قتل ہو گئے اور ان کے صلیبی نشان ٹوٹ ٹوٹ کر زمین پر گر پڑے۔ مگر نہ کوئی فرشتہ تیغ لے کر نمودار ہوا۔ اور نہ کسی "سینٹ" رولی، نے اس صلیب کو زمین سے اٹھایا۔ جو غازیوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں میں پائمال ہو رہی تھی۔

ان حالات کے علاوہ جوزلیفائن پر لاٹ پادری کے گستاخانہ حملہ کا چرچا تمام فوج میں تھا۔ اور عام سپاہی اس سے بہت ہی بد دل ہو گئے تھے۔ وہ سمجھنے

لگے تھے کہ مسیحی مذہب چند خود غرض نام نہاد پیشواؤں کی خواہشات کا مجموعہ ہے۔ مزید برآں مذہبی پیشواؤں اور سرداروں کے متکبرانہ سلوک اور فرعونیت نما برتاؤ نے ہر شخص کو متنفر کر دیا تھا۔

یہ تنفر اس وقت اور زیادہ بڑھ گیا جب مسلمان سرداروں کی مساوات اور کریمانہ اخلاق ان کے سامنے آئے۔ انھوں نے مسلمانوں کی ہمدردی۔ تواضع۔ ترحم اور اخلاص کو دیکھا اور بار بار دیکھا۔ لہذا یہ اچھی طرح دل نشین ہو گیا۔ کہ مسلمان ہمت و شجاعت کے رستم و سہراب ہی نہیں۔ بلکہ رحم و کرم کے فرشتے بھی ہیں۔ لہذا مسیحی قبائل خود بخود اسلام میں داخل ہونے لگے۔ یہاں تک کہ جب مسلمانوں نے قنسرین پر حملہ کیا۔ تو یہاں عرب کا قبیلہ بنو تنوخ ایک عرصہ سے آباد تھا۔ اس قبیلہ کے لوگ مدت سے کمبل کے خیموں میں بسر کرتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ شامی تہذیب تمدن کا یہ اثر ہوا کہ انھوں نے بڑی بڑی عالی شان عمارات بنوالی تھیں۔ حضرت ابو عبیدہ نے ہم قومی کے لحاظ سے اسلام کی دعوت دی۔ اور یہ سب مسلمان ہو گئے۔ صرف قبیلہ بنو سیخ عیسائیت پر قائم رہا۔ لیکن چند روز کے بعد مسلمانوں کے اخلاق سے متاثر ہو کر یہ بھی اپنی خوشی سے مسلمان ہو گیا۔ قبیلہ طے کے بھی بہت سے لوگ یہاں آباد تھے۔ انھوں نے بھی برضا و رغبت اسلام قبول کر لیا۔

شہر حلب سے باہر میدان میں بہت سے عرب آباد تھے۔ جب اسلامی افواج آگے بڑھیں تو انھوں نے پہلے جزیہ دے کر صلح کر لی۔ اور پھر مسلمانوں کے اخلاق و مراعات سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ غرض جہاں غازیوں کی تلوار شامی بلاد و امصار فتح کر رہی تھیں وہاں غازیوں کا اخلاق دلوں کی دنیا فتح کر رہا تھا۔

نئی مصیبت کا آغاز

یرموک جب فتح ہو گیا تو جوزیفائن اور ملکۂ روم نے ایک رات حسین سوار و ضرار حضرت ضرار کے خیمہ میں بسر کی۔ شب بھر حسین سوار و جوزیفائن میں گلے شکوے

ہوتے رہے۔ (جن کی تفصیل گذر چکی ہے) صبح ہوتے ہی ملکہ و جوزیفائن نے انطاکیہ کا قصد کیا۔ رومی حور "حسین سوار" سے جدا نہ ہونا چاہتی تھی لیکن وہ اپنی والدہ کی وجہ سے مجبور تھی۔ حسین سوار کے وعدہ نیم شبی نے کچھ مطمئن کر دیا تھا۔ اور وہ چاہتی تھی۔ کہ یرموک فتح کرنے کے بعد مسلمان انطاکیہ کا رخ کریں۔ جہاں حسین سوار سے ملاقات ہونی ضروری ہے۔ لہذا اس نے آئندہ توقع پر جدائی کے اس پتھر کو سینہ پر رکھنا گوارا کر لیا تھا۔ لہذا جوزیفائن و ملکہ دونوں انطاکیہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حسین سوار اور حضرت ضرار نے یہ گوارا نہ کیا کہ ان کے دو محترم مہمان جنگ کے اس پرآشوب زمانہ میں تنہا جائیں۔ لہذا یہ دونوں بھی ہمراہ ہو گئے۔ ایک دن گذرنے کے بعد دوسرے دن مسیحی فوج انطاکیہ کو جاتے ہوئے راہ میں ملی۔ جوزیفائن اور ملکہ نے اپنی فوج کو پہچان لیا۔ ملکہ نے حسین سوار اور ضرار پر زور دیا۔ کہ وہ رخصت ہو جائیں۔ مبادا کہ رومی سپاہی مسلمان سمجھ کر ان پر حملہ کر دیں۔ یا راز محبت فاش ہو جائے۔ اگرچہ حسین سوار اور حضرت ضرار کو یہ پسند نہ تھا مگر ملکہ کے اصرار سے یہ دونوں واپس آ گئے۔ اور جوزیفائن اور اس کی والدہ اپنی فوج میں جا ملیں۔

یرموک سے جب رومی فوج بھاگی تو وہ مختلف حصوں میں منقسم ہو گئی۔ اور جس حصے کے جدھر سینگ سمائے وہ ادھر چلا گیا۔ کچھ سپاہی حلب کی طرف مڑ گئے۔ کچھ قنسرین پہونچے اور کچھ یافہ و حرمہ کی طرف نکل گئے۔ اور ایک معقول تعداد نے انطاکیہ کا رخ کیا۔ جہاں انھوں نے قیصر کو چھوڑا تھا۔ یہ حصۂ فوج جس سے جوزیفائن اور ملکہ آ کر ملے وہ تھا جو قیصر کے پاس انطاکیہ جا رہا تھا۔ اس کے سردار کا نام "شابان" تھا۔ شابان ایک پکے قدیم عقیدہ کا مسیحی تھا۔ وہ لاٹ پادری کا جس نے جوزیفائن کی عصمت پر حملہ کرنا چاہا تھا خاص معتقد تھا۔ اور اس لئے جوزیفائن کی طرف سے دل میں کینہ رکھتا تھا۔ جب ملکۂ روم و جوزیفائن آ کر لشکر سے ملیں تو شابان ان دونوں کو یکہ و تنہا دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور نہایت تعجب و حیرت سے سوال کیا کہ:۔

"محترمہ ملکہ! آپ یہاں کیسے تشریف لائیں؟"

ملکہ ۔ رومی فوج کی پسپائی کے وقت لشکر سے جدا ہو گئی ۔ جوزیفائن بھی میرے ہمراہ تھی ۔ اب کسی طرح ہم دونوں یہاں پہونچے ہیں ۔

شاہان ۔ ملکہ صاحبہ اس پرآشوب زمانہ میں خطرہ برداشت کئے بغیر کس طرح پہونچ گئیں ۔ ؟

ملکہ ۔ جب جنگ ہو رہی تھی اور رومی فوج پسپا ہوئی تو میں جوزیفائن کے ہمراہ جنگ کا تماشہ دیکھ رہی تھی ۔ رومی فوج میں اس قدر ابتری پھیلی کہ اسے خبر نہ رہی اور ہم دونوں مسلمان سپاہیوں کے ہاتھوں میں پڑ گئے ۔ انھوں نے رات بھر نہایت عزت کے ساتھ ہمیں اپنے خیمہ میں رکھا اور اگلے روز انطاکیہ پہونچانے کے لئے ہمارے ساتھ روانہ ہو گئے ۔ راستہ میں آپ کی فوج ملی تو ہم نے انھیں رخصت کر دیا ۔

شاہان ۔ (تعجب سے) کیا مسلمان سپاہیوں نے ملکہ جہاں پناہ کے ساتھ اس قدر بہتر سلوک روا رکھا ۔ ؟

ملکہ ۔ بیشک انھوں نے ہم دونوں کیساتھ فرشتوں کا سا سلوک کیا ۔

شاہان ۔ رومیوں میں تو یہ مشہور ہے کہ عرب مسلمان نہایت خونخوار وحشی اور شہوت پرست ہوتے ہیں ۔

عربوں کے متعلق شہوت پرستی کا لفظ سنکر جوزیفائن کا چہرہ سرخ ہو گیا ۔ اور اسے مسیحی بطریقوں کے کارنامے یاد آ گئے لیکن اس نے ضبط سے کام لیا ۔ اور خاموش ہو گئی ۔

ملکہ ۔ معزز سردار میرا تجربہ اس کے برخلاف ہے ۔

شاہان ۔ میرا دل تو نہیں مانتا اس میں بھی کوئی حکمت عملی ہو گی ۔

ملکہ ۔ اس میں کیا حکمت ہو سکتی ہے ۔ اگر وہ چاہتے تو ہمیں گرفتار کر لیتے اور قیصر سے ایک گراں بہا زر فدیہ لے کر رہا کرتے لیکن انھوں نے نہایت عزت کے ساتھ ہماری مہمانی کی اور پورے احترام کے ساتھ ہمیں لے کر انطاکیہ

روانہ ہوئے۔

شابان۔ ملکہ صاحبہ مجھے ان کی یہ حکمت معلوم ہے اور ایک رومی جاسوس کے ذریعہ سے یہ راز معلوم ہوا ہے۔ جو آپ سے کسی وقت ظاہر کروں گا۔

ملکہ۔ اس میں اگر کوئی خاص راز ہے تو بہت جلد مجھے بتایا جائے۔

شابان۔ بہت اچھا میں تعمیل ارشاد کے لئے حاضر ہوں لیکن اس سے قبل یہ تو بتلایئے کہ ان عرب سپاہیوں کے نام کیا تھے جن کی پناہ میں آپ رہیں۔

ملکہ۔ ایک کا نام "حسین سوار" اور دوسرے کا نام ضرار ہے۔

شابان۔ کیا یہی دونوں آپ کو انطاکیہ لے جا رہے تھے۔؟

ملکہ۔ جی ہاں۔ یہی دونوں رفیق سفر تھے۔

شابان۔ (نہایت غصہ سے زمین پر پاؤں مار کر) آہ یہی تو وہ حسین سوار ہے۔ جس نے ہماری فوج کو غارت کر دیا۔ اور ہماری فتح کو ہمارے ہاتھ سے چھین لیا۔ اگر وہ دونوں شب آپ کے ہمراہ تھے۔ تو میں تعاقب میں اپنے سپاہیوں کو بھیجتا ہوں کہ وہ راستہ میں ہی ان دونوں کا خاتمہ کر دیں۔ یہ کہا اور ایک سردار کو حکم دیا کہ وہ سو سپاہیوں کو ہمراہ لے کر ان دونوں کا تعاقب کرے۔

جوزیفائن یہ سنکر تڑپ گئی۔ ملکہ نے بھی اسے شرافت کے خلاف سمجھا لیکن شابان نے کسی اور کی پرواہ کئے بغیر خود اسی جگہ پر پڑاؤ ڈال دیا۔ اور حسین سوار نیز ضرار کے کٹے ہوئے سروں کا انتظار کرنے لگا۔

سر کاٹنے کا انعام

رومی فوج کا ایک سردار ماس سڑک پر جا رہا ہے۔ جو انطاکیہ سے یرموک کو جاتی ہے۔ یک صد منتخب سوار ماس کے ہمراہ ہیں۔ یہ سب گھوڑوں کو سرپٹ بھگائے ہوئے ہوا سے باتیں کرتے چلے جاتے ہیں۔ ایک سوار نے سامنے

کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ:۔

"وہ جارہے ہیں"

یہ سنتے ہی سب نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور جو پہلے ہوا تھے وہ اب بجلی ہوگئے۔

پاس پہونچے تو مایوسی سے کھڑے ہوکر کہا:۔

"وہ نہیں ہیں۔"

ایک سوار۔ اگر وہ ہوتے تو سب سے پہلی تلوار میں مارتا۔

دوسرا سوار۔ لیکن وہ بہادر ہے یمھارا وار خالی دیتا تو دوسری تلوار میں مارتا۔

تیسرا سوار۔ تم دونوں شیخی مارتے ہو۔ اس کا سر صرف میری تلوار ہی کاٹ سکتی ہے۔

سردار۔ جو اس کا سر کاٹے گا اس کے سینہ پر صلیب کا تمغہ النشان میں لگاؤں گا۔ اور سپہ سالار شابان کے ذریعہ سے قیصر تک سفارش کراؤں گا۔ کہ اس کو خاص انعام عطا کیا جائے۔

پہلا سوار۔ معزز سردار وہ خاص انعام کیا ہے۔؟

سردار۔ وہ انعام سب سے بڑا ہوگا۔

دوسرا سوار۔ کیا کوئی صوبہ مرحمت کیا جائے گا۔

سردار۔ اس سے بھی بہت بڑا انعام ہوگا۔

تیسرا سوار۔ یعنی جوزلیفائن۔

سردار۔ ہاں مہ جمال جوزلیفائن۔

یہ سوار خوشی سے اچھلا اور کہا۔ کہ:۔

میں آپ کے سامنے خداوند مسیح کو حاضر وناظر جان کر قسم کھاتا ہوں۔ کہ حسین سوار کا سر میں کاٹوں گا اور روم کی شہزادی سے شادی

کر کے آئندہ بادشاہ بنوں گا۔"

پہلا سوار۔ (غرور سے سر ہلا کر) تم میں کونسا سرخاب کا پر ہے کیا تم مجھ سے قوت میں زیادہ ہو۔؟

تیسرا سوار۔ تم دونوں شیخی باز ہو۔ ایک حمص کے میدان میں فرار ہو چکا ہے۔ اور دوسرا یرموک میں پیٹھ دکھا چکا ہے۔

اس پر دونوں سوار برہم ہو گئے۔ اور تلواریں سونت کر کہا کہ تم جھوٹ بکتے ہو۔ ہم میں سے کوئی میدان جنگ سے نہیں ہٹا۔

دوسرا سوار۔ یہ اگر سچ ہے تو پھر آپ اب تک زندہ کیوں ہیں؟ وہیں یرموک کے میدان میں مر جاتے۔ لیکن انطاکیہ جانے کا رخ نہ کرتے۔

دونوں سوار۔ یہ الزام تو تم پر بھی ہے۔

دوسرا سوار۔ میں الزام تسلیم کرتا ہوں لیکن جوزلیفائن کے انعام نے مجھے اب بہادر بنا دیا ہے۔ اور اس تصور سے کہ اگر میں نے "حسین سوار" کا سر کاٹ لیا تو روم کی شہزادی میری آغوش میں ہو گی۔ اور میں محسوس کر رہا ہوں کہ اب میں فقط رومی سپاہی نہیں بلکہ رومی فوج کا رستم ہوں۔

دونوں سوار۔ (یک زبان ہو کر) ہم دونوں تم سے پہلے جوزلیفائن کے ساتھ شادی کرنے کا حلف اٹھا چکے ہیں۔ تم ہمارے سامنے جوزلیفائن کا نام نہ لو۔ ورنہ حسین سوار سے پہلے تمہارا سر کاٹ لیا جائے گا۔

اس پر دوسرے سوار کو بھی غصہ آیا۔ اور اس نے بھی یہ کہہ کر تلوار کھینچ لی کہ "بہت اچھا پہلے اس کا فیصلہ ہو جائے۔"

لیکن سردار فوج نے فریقین کو ڈانٹا اور کہا کہ:۔

"حسین سوار" تک پہونچنے سے پہلے ہی آپس میں کٹ کر مر جاؤ گے۔ تو جوزلیفائن کس کو ملے گی۔

اس پر تینوں سواروں نے تلواریں نیام میں رکھ لیں اور "حسین سوار"

"ضرار" کی تلاش میں یہ پورا دستہ روانہ ہو گیا۔

جوزلیفائن کی بیقراری

ملکہ اور جوزلیفائن کی آنکھوں کے سامنے سواروں کا یہ دستہ تعاقب میں روانہ ہوا تھا۔ اور شاہان نے حسین سوار کے متعلق جو حکم دیا تھا۔ وہ بھی ان کے کانوں سے سنا تھا۔ یہ دونوں باتیں جوزلیفائن کے قلب و جگر کے لئے دو تیر تھے جو انھیں توڑ کر نکل گئے۔

وہ اس وقت شاہان کی فوج کے ایک خیمہ میں منہ لپیٹے پڑی ہے۔ اور دل ہی دل میں کچھ باتیں کر رہی ہے وہ سوچ رہی ہے کہ اگر یہدان جنگ میں یہ لڑائی ہوتی تو کچھ پروا نہ تھی۔ کیونکہ "حسین سوار" ایک بہادر نوجوان ہے۔ اور وہ سو دو سو سواروں کے قابو کا نہیں لیکن ستم تو یہ ہے کہ یہ وحشی سوار اس سے جنگ کرنے نہیں گئے۔ بلکہ فریب۔ دغا۔ مکر اور حیلہ غرض جس طرح بھی ممکن ہو۔ انعام کے لالچ میں اس کا سر کاٹنے گئے ہیں پس اگر انھوں نے اس "محسن عرب" کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔ تو میں کیوں کر زندہ رہوں گی۔ یہ خیال آتے ہی وہ دیوانوں کی طرح ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ وہ اس زہر گداز تخیل میں اس قدر غرق تھی کہ ملکہ روم اس کے قریب پہونچ گئی لیکن اُسے کچھ نہ معلوم ہوا۔ اور وہ برابر ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپتی رہی۔ کئی مرتبہ سر زمین پر پٹکا۔ اور کئی بار کلیجہ پکڑ کر بیٹھ گئی۔

ملکہ سے یہ حالت دیکھ کر نہ رہا گیا اس نے جوزلیفائن کو آغوش میں لے لیا۔ اور سر زانو پر رکھ کر گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"جوزلیفائن الحذر جگر جوزلیفائن تمہیں کیا ہو گیا"

جوزلیفائن نے اپنی پُرنم آنکھوں کو کھولا اور ہچکیاں لے کر عرض کیا کہ:۔

اماجان کیا عرض کروں۔ جب سے وہ رسالہ گیا ہے۔ دل بیٹھا جاتا ہے۔

اور بار بار یہ خیال آتا ہے کہ اب ان کے دشمنوں کی خیر نہیں۔"

ملکہ۔ میری آنکھوں کی روشنی! اس قدر نہ گھبراؤ۔ وہ کوئی بزدل نہیں ہیں۔ بلکہ "حسین سوار" ہیں جنھوں نے ہزاروں کی صف کو الٹ دیا ہے۔ وہ اول تو انھیں ملیں گے نہیں اور اگر مل بھی گئے تو سب کو لہو چٹا کر چھوڑیں گے۔"

جوزلیفائن۔ اماں جان اگر باقاعدہ جنگ ہوتی تو کوئی خطرہ نہ تھا۔ لیکن یہ "سوریا" تو فریب اور مکر سے ان کا سر کاٹنے گئے ہیں۔

ملکہ۔ تو کیا بہادر عرب کا سر کاٹنا آسان ہے۔؟

جوزلیفائن۔ فرض کرو کہ وہ نہایت اطمینان کے ساتھ جا رہے ہوں۔ اور یہ پیچھے سے نہایت آہستہ آہستہ جا کر ان پر حملہ کر دیں۔ تو ایسی حالت میں بہادری کیا کام آسکتی ہے۔

ملکہ۔ جس طرح سویا ہوا شیر بھی حقیقت میں شیر ہے۔ اسی طرح بہادر انسان بھی ہر وقت بہادر ہے۔ خواہ اس پر کسی طرح حملہ کیا جائے۔ مگر وہ پھر بھی جواب دے گا۔

جوزلیفائن۔ لیکن اگر اسے جواب دینے کی مہلت ہی نہ دی جائے۔

ملکہ۔ یہ ناممکن ہے۔

جوزلیفائن۔ اماں جان فرض کرو کہ وہ راستہ کی تکان سے کہیں آرام لینے کے لئے ٹھیرے ہوں۔ اور خواب غفلت میں ہوں کہ یہ بزدل شکاری الو کتوں کی طرح جا پڑیں۔

ملکہ۔ جوزلیفائن! اس قسم کے وسوسوں سے اپنے آپ کو ہلکان نہ کرو۔ اگر خدا کو ان کی زندگی منظور ہے تو کوئی ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔

۔ یہ تو اسلام کا عقیدہ ہے اور ان اضطراب انگیز آندھیوں میں یہ عقیدہ ہی موجب تسکین ہو سکتا ہے لیکن میں کیا کروں کہ دل بیٹھا جاتا ہے۔ میں بار بار سنبھلنے کی سعی کرتی ہوں لیکن اندر سے ہولیں اٹھتی ہیں۔ اور بے قرار

کر دیتی ہیں۔
ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ شاباں کا ایک ملازم خط لے کر حاضر ہوا۔ ملکہ نے خط لے کر پڑھا تو لکھا تھا۔

"میں بارگاہ عالی میں وہ راز ظاہر کرنا چاہتا ہوں جس کا ذکر آج سہ پہر کو پہر کو کیا تھا۔ یا مجھے باریابی کی اجازت دی جائے۔ یا فلاں خیمہ میں حضرت علیا تشریف لانے کی تکلیف گوارا فرمائیں۔"

ملکہ خط پڑھ کر کچھ دیر تک سوچتی رہیں۔ اور آخر کار جوزیفائن سے یہ کہہ کر کہ میں ابھی آتی ہوں۔ قاصد کے ہمراہ روانہ ہو گئیں۔

افشائے راز

آفتاب غروب ہوئے دو گھنٹے گذر گئے تھے۔ اور سپاہی سفر کی وجہ سے تھک کر سر شام ہی سو گئے تھے۔ شاباں ایک خیمہ میں جو ملکہ کے خیمہ سے تقریباً دو سو گز کے فاصلہ پر تھا جواب کا انتظار کر رہا تھا۔ کہ قاصد نے آگے بڑھ کر ملکہ کے آنے کی اطلاع دی۔ شاباں گھبراتا ہوا باہر نکل آیا۔ اور جھکتے ہوئے سینہ پر ہاتھ رکھ کر رومی رواج کے مطابق مجرئی ادا کیا۔ اس کے بعد ملکہ کی تکلیف فرمائی کی معذرت کے لئے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ تخلیہ کی وجہ سے یہ جرأت کی گئی تھی۔

ملکہ۔ کچھ مضائقہ نہیں۔ میں نے بھی یہ خیال کیا تھا......

ملکہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔ اور شاباں یہ سوچنے لگا۔ کہ کس طرح سلسلۂ کلام شروع کروں کچھ دیر سکوت رہا۔ اور آخر شاباں نے مہر سکوت اس طرح توڑی کہ۔

"ملکہ صاحبہ سینہ کا راز لبوں پر آنے سے پہلے میں دست بستہ معافی چاہتا ہوں"

ملکہ۔ نہیں شاباں اس کی ضرورت نہیں تم جو کچھ کہو گے از راہ وفاداری کہو گے اور اظہار وفاداری کسی حال میں بھی لائق معافی نہیں۔

شاباں۔ خداوند مسیح کی قسم کہ میری نیت وفاداری کے سوا کچھ نہیں لیکن وہ

راز اس قدر اہم ہے کہ اس کو زبان پر لاتے ہوئے جھجکتا ہوں۔ اور اگر خاندان شاہی کی عزت وناموس کی حفاظت کا خیال مجھے مجبور نہ کرتا۔ تو میں مرنا قبول کرتا۔ لیکن یہ کلام لبوں پر نہ آتا۔

ملکہ۔ بہر حال اب وہ راز بیان کرو، زیادہ انتظار سے مجھے بھی خلجان ہوتا ہے۔

شاہان۔ (ہاتھ جوڑ کر) آپ اس آوارہ گرد جھوکرے اور وحشی عرب نوجوان سے واقف ہیں۔ جو "حسین سوار" کے لقب سے مشہور ہے۔

ملکہ۔ (ضبط کر کے) ہاں واقف ہوں۔

شاہان۔ کبھی اس شہوت پرست نوجوان کو اپنی آنکھوں سے آپ نے دیکھا ہے۔

ملکہ۔ ہاں دیکھا ہے۔

شاہان۔ اسی کے متعلق یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ روم (کچھ رک کر) کی شہزادی پر عاشق اور جوزلیفائن........

ملکہ۔ خاموش کیوں ہو گئے۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔

شاہان۔ میں ایک مرتبہ پھر معافی چاہتا ہوں۔

ملکہ۔ بار بار عذر خواہی کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ کہنا ہو بلا تکلف کہو۔

شاہان۔ اور سنا ہے کہ جوزلیفائن اس کمینہ عرب پر عاشق ہیں۔

حسین سوار کو بار بار گالیاں سنکر ملکہ کی آنکھیں غصہ سے سرخ ہو گئیں۔ لیکن وہ مجبور تھی۔ کیونکہ فوج شاہان کے قبضہ میں تھی۔ تاہم اس نے ضبط کیا۔ شاہان یہ سمجھا کہ جوزلیفائن وحسین سوار کے عشق کی خبر نے ملکہ کو برہم کر دیا ہے۔ لہذا اس کی ہمت اور بڑھی۔ اس نے کہا کہ شہزادی جوزلیفائن کو تو اس ذلیل عرب نوجوان سے کیا محبت ہو سکتی ہے۔ مگر یہ دوسری بات ہے کہ اس نے کچھ جادو کرایا ہو۔ کیونکہ یہ سنا ہے۔ کہ عرب بڑے جادوگر ہیں۔

ملکہ۔ ممکن ہے کہ ایسا ہو۔

شاہان۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ حضرت علیا شہزادی صاحبہ کو اس اعلان پر آمادہ

کریں کہ جو شخص حسین سوار کا سر کاٹ کر لائے گا۔ میں اس کے ساتھ عقد کروں گی۔ اس اعلان سے اس افواہ کی بھی تردید ہو جائے گی۔ کہ شہزادی صاحبہ کو حسین سوار سے عشق ہے۔ نیز رومی نوجوانوں میں جانبازی و بہادری کا جذبہ پیدا ہوگا۔ اور بہت کچھ بہادر اس مہم کو سرانجام دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ اگر کوئی رومی نوجوان کامیاب ہو گیا تو سمجھئے کہ ہمارا ملک بھی عربوں کی غارت گری سے محفوظ ہو گیا۔ اگر حسین سوار خواتین کی فوج ہمراہ لے کر ہمارے میمنہ کو تباہ نہ کرتا۔ تو یرموک کی فتح ہماری تھی۔

یہ کہہ کر اس کا اظہار بھی کر دیا کہ میں نے ان ہی مصالح کو پیش نظر رکھ کر اس سردار سے انعام کے متعلق کہہ دیا ہے جس کی ماتحتی میں ایک رسالہ حسین سوار کا سر کاٹنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ ملکہ نے یہ گفتگو نہایت پیچ و تاب سے اور غم و غصہ کے ساتھ سنی۔ لیکن سکوت ہی کو مصلحت سمجھا۔ اور یہ کہہ کر کہ میں اس کا جواب کل دوں گی۔ وہاں سے رخصت ہو کر اپنے خیمہ میں چلی آئیں۔

عقدۂ لاینحل

یرموک و انطاکیہ کی شاہراہ پر جنگل میں رومی فوج کا قیام ہے۔ تقریباً نصف شب گذر چکی ہے۔ فوج کا ہر سپاہی محو خواب ہے۔ اور ایک عام سناٹا چھایا ہوا ہے لیکن ایک خیمہ میں شمع روشن ہے۔ اور اس کے سامنے کوئی بدنصیب سر بزانو ہے۔

ایک پتلا سا جسم، مرجھایا ہوا چہرہ اور لاغر کالبد۔ گاہ گاہ نہایت بیقراری سے اٹھتا اور ادھر ادھر چل کر پھر بیٹھ جاتا ہے۔ اس کے سرخ لبوں میں کچھ حرکت بھی ہے۔ اور آنکھوں میں آنسو بھی۔ ایک مرتبہ اس نے سرد آہ کھینچکر کہا کہ:-

"نہیں معلوم وہ آزاد ہیں، یا دشمنوں کے نرغہ میں آ گئے۔"

یہ کہہ کر کچھ والہانہ بے تابی کے ساتھ خیمہ کے دروازہ پر آئی اور تھوڑی دیر

تک دیکھ کر کہا کہ :-

"ہائیں وہ ابھی نہیں آئے خیر تو ہے ؟"

غرض اس خیمہ میں ایک شمع فروزاں تھی اور دوسری وہ بدنصیب ہستی جس کا دل شمع سے زیادہ پگھل رہا تھا ۔ اتنے میں ایک خاتون آئیں اور انھوں نے کہا کہ :-

"بیٹی جوزیفائن کیا حال ہے اور اس قدر خاموش کیوں ہو ؟"

جوزیفائن ۔ اماں جان کیا عرض کروں ، دل بیٹھا جاتا ہے ۔ اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سمندر سا امنڈ رہا ہے ۔

ملکہ ۔ میں جب جا گئی تھی ۔ تو بھی یہی بیقراری تھی اور اب آئی تو اس سے زیادہ بے چینی ہے ۔ ؟

جوزیفائن ۔ اماں جان یہ صحیح ہے ۔ لیکن میں اس حالت سے مجبور ہوں اندر ہی اندر دھواں اٹھتا ہے اور دل و دماغ پر چھا جاتا ہے ۔

ملکہ ۔ آخر تمھیں غم کس بات کا ہے ؟

جوزیفائن ۔ یہی کہ ان کے دشمنوں کی خیر نہیں نظر آتی ۔

ملکہ ۔ ایسے وسوسے دل میں نہ لاؤ اور جس طرح بھی ممکن ہو تم اپنے تئیں سنبھالو ۔ ورنہ اس سلطنت کا ناموس خاک میں مل جائے گا ۔ اور تم بدنام ہو جاؤ گی ۔

جوزیفائن ۔ (بات ٹالنے کے لئے) اچھا یہ تو فرمائیے کہ شاہان نے آپ کو کیوں بلایا تھا ۔

ملکہ ۔ (آہ سرد کھینچکر) ایک راز ظاہر کرنے اور اس کی تلافی میں ایک اعلان کرانے کے لئے ۔

جوزیفائن ۔ وہ راز کیا ہے ۔ ؟

ملکہ ۔ ذرا سوچ کر راز کیا ہے ۔ تمھاری عزت و ناموس کا معاملہ ہے ۔

جوزلیفائن ۔ (چونک کر) میری عزت وناموس کا معاملہ ۔؟

ملکہ ۔ ہاں جوزلیفائن! تمہاری عزت وناموس کا معاملہ اور تمہاری وجہ سے تمام سلطنت کی عزت وناموس کا معاملہ ۔!

جوزلیفائن ۔ (نہایت حیرت وپریشانی سے) مجھ سے ایسی خطا کیا ہوئی؟!

ملکہ ۔ میں جانتی ہوں کہ تم سے کوئی خطا نہیں ہوئی لیکن شابان نے کہا کہ حسین سوار کے عشق کا چرچا جابجا ہو رہا ہے ۔ اور رومی فوج کا ہر سپاہی اسے اپنی انتہائی ذلت ورسوائی سمجھتا ہے ۔

جوزلیفائن ۔ اس کا علم انھیں کیونکر ہوا ۔

ملکہ ۔ وہ کہتے ہیں کہ رومی جاسوس مقرر کئے گئے تھے ۔ جو بھیس بدل کر عرب فوج میں پہونچے ۔ اور تمام حالات نمک مرچ لگاکر بیان کر دیئے ۔

جوزلیفائن ۔ پھر شابان کیا چاہتے ہیں ۔؟

ملکہ ۔ ان کا خیال ہے کہ کسی طرح اس داغ بدنامی کو مٹایا جائے ۔

جوزلیفائن ۔ اس کی کیا تدبیر بتائی ۔؟

ملکہ ۔ انھوں نے جو تدبیر بتائی وہ نہایت دشوار ہے ۔ اور میں اسی وقت سے فکر مند ہوں کہ تم سے کہوں یا نہ کہوں ۔

جوزلیفائن ۔ (بجید بیقراری سے) اماں جان ضرور بتلایئے اور جلد بتایئے

ملکہ ۔ شابان کہتا ہے کہ آپ یہ اعلان کریں کہ جو شخص "حسین سوار" کا سر کاٹ کر لائے گا ۔ میں اس سے عقد کروں گی ۔

یہ سنکر جوزلیفائن کانپ اٹھی ۔ اور اس پر سکتہ کا سا عالم طاری ہوگیا ۔

ملکہ ۔ یہ کہہ کر پہلے تو ڈری کہ مبادا جوزلیفائن کے دشمنوں کی حالت غیر نہ ہو جائے ۔ اور پھر از راہ تسلی یہ کہا کہ میں نے خود ہی اس کا جواب دیدیا ہے کہ :۔

"جوزلیفائن ایک شہزادی ہے ۔ وہ مرنا قبول کرے گی ۔ لیکن یہ

ذلت برداشت نہیں کر سکتی ۔"

اس نے یہ بھی کہا کہ اس قسم کے اعلان سے داغ رسوائی بھی دھل جائیگا اور رومی سپاہیوں میں جوش بھی پیدا ہوگا۔

جوزیفائن ابھی تو حزن وملال کی تصویر تھی لیکن یہ سنکر غضب کا شعلہ جوالہ بن گئی۔ چہرہ غصہ سے تمتمانے لگا اور آنکھیں چمکنے لگیں اور ایک بل کھائی ہوئی ناگن کی طرح بولی کہ:۔

"پھر آپ نے کیا جواب دیا"

ملکہ ۔ میں نے ٹالنے کے لئے کہدیا کہ کل جواب دوں گی ۔

جوزیفائن ۔ آپ کو کہدینا چاہیئے تھا کہ:۔

"جوزیفائن حسین سوار کے لئے یہ اعلان نہیں کر سکتی۔ کیونکہ وہ ایک فرشتہ ہے ۔ ہاں شاہان کے سر کے لئے یہ اعلان کیا جا سکتا ہے ۔ جو خباثت ونجاست کا ایک پتلا ہے ۔"

ملکہ ۔ شاہان کی باتیں سنکر غصہ تو مجھے بھی بہت آیا اور بالخصوص اس بات سے کہ اس نے اس قسم کا اعلان کر بھی دیا۔ لیکن میں اس لئے خاموش ہوگئی۔ کہ کہیں راہ میں سازش کر کے وہ ہم دونوں کو قتل نہ کرا دے ۔

جوزیفائن ۔ اگر میری رگوں میں قیصر کا خون موجود ہے ۔ تو اس ناپاک ہستی کے وجود سے دنیا کو پاک کردوں گی ۔

ملکہ ۔ بیٹی جوزیفائن ایسے کلمات زبان سے نہ نکالو کہ دیوار ہم گوش دارد۔

جوزیفائن ۔ مجھے مرنا قبول ہے ۔ مگر اس رومی کمینے کے ان جنوں کو برداشت نہیں کر سکتی ۔

ملکہ ۔ اس وقت فوج اسی کے قبضہ میں ہے اگر خدانخواستہ حسین سوار گرفتار ہوکر آگیا۔ تو تم اس سے سفارش تو کر سکو گی ۔ لہذا اپنے لئے نہیں تو کم از کم حسین سوار کے لئے ہی خاموش رہو۔

یہ سنکر جوزیفائن پر کچھ اثر ہوا۔ اور جو شعلہ جوالہ بھڑک رہا تھا۔ وہ کچھ وقت کے لئے خاموش ہو گیا۔

گرفتاری

حسین سوارہ اور حضرت ضرار یرموک کی طرف جا رہے تھے۔ کہ راستہ میں ایک گھنا سایہ دار باغ آیا۔ تمازت نہایت سخت تھی۔ اور سر کے بالوں سے ایڑی تک یہ دونوں پسینہ میں غرق تھے۔ یرموک یہاں سے صرف دو گھنٹے کے راستہ پر تھا۔ کہ ضرار نے کہا کہ دوپہر کا وقت اس باغ میں بسر کر لو۔ حسین سوار نے کہا۔ کہ اگرچہ ہم دونوں خستہ ہو گئے ہیں لیکن یرموک پہونچکر دم لینا ہی بہتر ہے لیکن ضرار کا اصرار غالب آیا۔ اور یہ دونوں اس باغ میں ٹھیر گئے۔ انھیں کیا معلوم تھا کہ تیر قضا کی طرح یہ رومی سوار پہلے آ رہے ہیں۔

باغ بہت گھنا تھا۔ روشیں بہت دل کش تھیں۔ اور نہریں جابجا جاری تھیں۔ دونوں نے اپنی اپنی سواریاں ایک طرف باندھ دیں۔ اور غسل کر کے سو گئے۔ ناگاہ رومی سواروں کا اس راستہ سے گذر ہوا۔ اور بعض سوار دیکھنے کے لئے کہ ان کا مطلب کہیں اس باغ میں پوشیدہ نہ ہو اندر آ گئے۔ اور یہ دیکھ کر کہ اسلحہ ایک طرف رکھے ہیں۔ اور دو آدمی سو رہے ہیں۔ پچھلے پاؤں لوٹ گئے۔ اپنے سردار سے یہ ماجرا بیان کیا۔ اس نے حکم دیا کہ تمام سوار آہستہ آہستہ جا کر پہلے باغ کا محاصرہ کر لیں اور جب یہ تحقیق ہو جائے کہ خفتہ انسان ان کا بخت بیدار یعنی حسین سوار ہے۔ تو پھر اسے جہاں تک ممکن ہو زندہ گرفتار کر کے سامنے لائیں۔

صرف حکم کی دیر تھی اور باغ کچھ دور نہ تھا کہ چاند ہالے میں آ گیا اور ایک سوئے ہوئے شیر کو رومی سواروں نے گھیر لیا۔ اتفاق سے ان دونوں کی آنکھ اسی وقت کھلی کہ چند سوار قضا مبرم کی طرح سر پر پہونچ چکے تھے۔ اور ان کے اسلحہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ حسین سوار اور حضرت ضرار نے بیدار ہوتے ہی اپنی تلوار کی طرف

دیکھا۔ لیکن وہ دشمنوں کے قبضہ میں ہو چکی تھی۔ اور اب تمام سوار سمٹ کر ان دو غریب الوطن مسافروں پر ٹوٹ پڑے تھے۔

اگرچہ یہ دونوں اپنی جگہ سے ابھی اچھی طرح اُٹھنے بھی نہ پائے تھے۔ کہ "حسین سوار" نے رومیوں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔ اور ڈانٹ کر کہا کہ:۔

"بس ٹھہر جاؤ اور بتاؤ کہ کیا ارادہ ہے۔"

یہ جملہ سنتے ہی دو سوار تلواریں علم کر کے حسین سوار کی طرف بڑھے۔ کہ لسان کا جواب سنان سے دیں۔ مگر ضرار نے کہا کہ:۔

"نہتوں پر حملہ کرنا بہادری نہیں۔"

اس جملہ کا اثر بھی رومی سورماؤں پر کچھ نہ ہوا۔ یہاں تک کہ ایک سوار نے سب سے پہلا وار حسین سوار کی گردن پر اس زور سے کیا کہ وہ کٹ کر زمین پر آ رہے مگر حسین سوار نے نہایت پھرتی سے وار خالی دیا۔ اور اس کی تلوار زمین پر پڑی۔ اور ٹوٹ گئی۔

یہ دیکھ کر دوسرا سوار آگے بڑھا۔ اور اس نے بھی تول کر دو دستی تلوار اس زور سے ماری کہ حسین سوار کے دو ٹکڑے ہونے میں کچھ شبہ نہ تھا۔ لیکن اس کا گھوڑا چمک گیا۔ اور یہ سوار زمین پر آ پڑا۔ حسین سوار نے نہایت چابک دستی کے ساتھ تلوار اس کے ہاتھ سے چھین لی اور کہا کہ:۔

"دیکھو تمہارے خداوند مسیح کو صلیب سے بچانے والا خدا اسی طرح اپنے بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔"

یہ سنکر اور حسین سوار کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر تمام رومی سوار ذرا جھجکے۔ سردار نے اسے محسوس کیا۔ اور تمام سواروں کو حکم دیا۔ کہ جس طرح ممکن ہو سب ایک ساتھ یورش کر کے ان دونوں کو گرفتار کر لیں۔ یہ سنتے ہی چاروں طرف سے رومی غول ان پر جھپٹ پڑا۔ حسین سوار اور حضرت ضرار نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اور نہایت شجاعت سے مقابلہ کیا۔ مگر دو تن کیا کرتے حضرت ضرار پہلے گرفتار ہوئے۔ اور

حضرت ضرار نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اور نہایت شجاعت سے مقابلہ کیا۔ مگر دو تن کیا کرتے۔ حضرت ضرار پہلے گرفتار ہوئے۔ اور پھر عیسائیوں نے ہجوم کر کے حسین سوار کو بھی گرفتار کر لیا۔ جب یہ دونوں شیر گرفتار ہو کر سردار کے سامنے پہونچے۔ تو اس نے فرعونی غرور کے ساتھ کہا۔ کہ:-

"وہ اب تمہاری حفاظت کرنے والا خدا کہاں ہے؟"

حسین سوار۔ ہمارے ساتھ اور تمہارے سنگین دلوں سے دور۔

سردار۔ پھر تمہاری حفاظت کیوں نہیں کی۔؟

حسین سوار۔ تاکہ ہمارے صبر اور تمہاری فرعونیت کا امتحان کرے۔

سردار۔ لیکن وہ حفاظت کہاں گئی۔؟

حسین سوار۔ حفاظت اس کی مٹھی میں ہے۔

سردار۔ نہیں میرے قبضہ میں ہے۔

حسین سوار۔ اس کا جواب مستقبل دے گا۔

بھیانک خواب

شاہان کے لشکر میں تمام انسان چین و آرام سے سوئے لیکن جوزلیفائن نے تمام شب ماہی بے آب کی طرح تڑپ تڑپ کر گذاری۔ رومی فوج کے سپہ سالار شاہان کا اصرار تھا۔ کہ یہ گل اندام نازنین اس پر راضی ہو جائے کہ جو حسین سوار کا سر کاٹ کر لائے گا۔ اسی کے ساتھ وہ عقد کرے گی۔ لیکن پروانہ شمع پر قربان ہو سکتا ہے۔ مگر اسے گل نہیں کر سکتا۔ بلبل گل پر نثار ہو سکتی ہے مگر اسے مسلنے کے لئے بیدرد گل چیں کے سپرد نہیں کر سکتی۔ پس یہ ایک ایسا پتھر تھا جسے حسین نازنین کسی طرح اپنے سینہ پر اٹھا نہیں سکتی تھی۔

دوسری طرف یہ خطرہ تھا کہ سوا ایل کا ایک دستہ حسین سوار کے تعاقب میں گیا۔ اگر خدانخواستہ وہ مل گئے تو نہیں معلوم ان کا انجام کیا ہو گا۔ بہت

ممکن ہے کہ یہ لوگ ان کو وہیں قتل کر دیں۔ اور اگر پابہ زنجیر یہاں لائے تو ان کی رہائی کی تدبیر کیا ہوگی۔ اسی کے ساتھ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اگر شابان کے حکم کی تعمیل نہ کی تو پھر یہ غصہ ور سپہ سالار حسین سوار کو بے تامل قتل کر دے گا۔ اور میرے لئے سفارش کا کوئی موقعہ نہ رہے گا۔ ان زہرہ گداز خیالات نے جوزلیفائن پر نیند حرام کر دی تھی۔ اور وہ ٹھیک اسی طرح اپنے بستر پر تڑپ رہی تھی۔ جس طرح مرغ بسمل کسی صیاد کی چھری سے ذبح ہو کر تڑپا کرتا ہے۔ فرق اس قدر تھا کہ مرغ بسمل کچھ دیر تڑپ کر ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اور زندگی کی کشمکش سے ہمیشہ کے لئے چھوٹ جاتا ہے۔ لیکن بدنصیب جوزلیفائن کی قسمت میں یہ بھی نہ تھا۔

اس موت نما کرب میں مرغ سحر نے اذان دی۔ فرشتۂ صبح نے افق مشرق میں طباشیر چھڑکی اور ملکہ سحر کا شہزادہ اپنے زریں لباس میں سنور کر تیار ہوا کہ منظر عام پر آئے۔ اس وقت ملکہ جو جوزلیفائن کو سمجھاتے سو گئی تھی یک بیک چونک اٹھی۔ اور گھبرائی ہوئی آواز میں کہا:۔

"جوزلیفائن! جوزلیفائن!! تم کہاں ہو، میرے پاس آؤ۔"

جوزلیفائن اگرچہ اپنے خیالات میں غرق تھی۔ لیکن ملکہ کی پریشانی و گھبراہٹ اور تردد آمیز گرج نے اسے بھی اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ پاس آئی اور کہا کہ:۔

"اماں جان حاضر ہوں۔ کیا حکم ہے؟"

ملکہ نے جوزلیفائن کے آتے ہی اس کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور کہا کہ:۔ لخت جگر کیا کہوں کہ میں نے کیا دیکھا اور کیا سنا۔ کاش کہ یہ محض شیطانی وسوسہ ہو۔"

جوزلیفائن۔ (گھبرا کر) اماں جان کیا کوئی خواب دیکھا۔؟

ملکہ۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر) ہاں خواب دیکھا۔ اور ایسا خواب دیکھا کہ کاش اس سے پہلے آنکھیں بند ہو جائیں۔؟

جوزلیفائن۔ (زیادہ بیقرار ہو کر) اچھی اماں جلد بتایئے وہ خواب کیا ہے۔

اور آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں۔؟

ملکہ۔ آہ وہ خواب ہی ایسا ہے کہ اگر تم سنو گی تو مجھ سے زیادہ پریشان ہو گی ذرا ٹھہرو میں یہ غور کر لوں کہ تمھارے سامنے بیان کروں یا نہیں۔

جوزلیفائن۔ (منتیں کر کے) اچھی اماں بخل نہ کرو ورنہ میں اس کے تخیل اور فکر میں ہی ہلاک ہو جاؤں گی۔

ملکہ۔ ہاں میں بھی یہی سمجھتی ہوں کہ تم سے خواب نہ بیان کیا گیا تو خدا جانے تمھارے دل پر کیا بنے گی۔

جوزلیفائن۔ بس یہی کہ آپ کی اکلوتی بیٹی اس جہان میں نہ ہو گی۔

ملکہ۔ (کچھ غور کے بعد) اچھا سنو میں نے دیکھا کہ:۔

"ایک دلکش باغ ہے۔ اس میں دو جوان سو رہے ہیں۔ ایک رسالہ نے ان کا محاصرہ کیا۔ اور پھر سارے خونخوار سپاہی ان دو نہتوں نوجوانوں پر ٹوٹ پڑے۔ یہاں تک کہ انھیں گرفتار کر لیا۔ پھر وہ پابزنجیر ایک سپہ سالار کے سامنے پیش کئے گئے۔ اور اس نے......

جوزلیفائن۔ خاموش کیوں ہو گئیں۔ فرمائیے اس کے بعد کیا دیکھا۔؟

ملکہ۔ قتل کرنے کا حکم دیا۔ میں اور تم اس سپہ سالار کے قدموں پر گر پڑیں کہ کسی طرح وہ اس ارادہ سے باز آئے۔ لیکن وہ باز نہ آیا۔

جوزلیفائن نے یہ سنکر ایک چیخ ماری اور زار زار رونے لگی۔ یہ تو حسین سوار اور ان کے بھائی ضرار کا انجام ہے۔

شاہان کے سامنے پیشی

رومی سواروں کا دستہ یرموک کی سڑک سے انطاکیہ کی طرف آ رہا ہے اور بہت خوش ہے۔ ان کے جھرمٹ میں دو الشان ہیں جن کی مشکیں بندھی ہیں اور پاؤں میں بیڑیاں ہیں۔ سب گھوڑوں پر ہیں لیکن یہ دونوں پیادہ ہیں۔

ان میں سے ایک بہت ہی نازک و خوبصورت ہے جس کے پھول جیسے رخسار سے کملا گئے ہیں۔ اور راستہ کی گرد نے قمر تمثال چہرہ پر ایک نقاب سا ڈال دیا ہے۔

یہ لوگ سر شام تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرے اور کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر پھر روانہ ہو گئے۔ ان کے سردار نے کہا کہ جس طرح ممکن ہو طلوع آفتاب سے پہلے اپنے سپہ سالار شابان کے حضور میں پہونچ جانا چاہئے۔ تاکہ آسمان کا سورج اور شابان کی امیدوں کا آفتاب ایک ساتھ طلوع ہوں۔

ابھی تمام سپاہی اپنے بستروں سے اٹھے نہ تھے بعض آنکھیں مل رہے تھے اور بعض انسانی ضرورتوں سے فارغ ہونے میں مصروف تھے۔ اور شابان اپنی خواب گاہ میں محو آرام تھا کہ گھوڑوں کے سموں کی آواز اس کے کانوں میں آئی۔

سواروں کے سردار نے فوراً اطلاع کے لئے پہرہ دار کو اشارہ کیا۔ لیکن وہ ہچکچایا۔ سردار نے کہا کہ اگر سپہ سالار صاحب آرام میں بھی ہوں تو انھیں بیدار کر دو۔ اور دریافت کرنے پر میرا نام لے دینا۔ کہ وہ ایک اہم ضروریات کی بنا پر حاضر ہونا چاہتا ہے۔ دربان اندر گیا۔ شابان ابھی بستر سے نہ اٹھا تھا مگر سواروں کی آمد اور چہل پہل کی آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ کہ دربان نے سردار رسالہ کی آمد کا مژدہ سنایا اور قدمبوسی کی درخواست کی۔ شابان نے کہا کہ بلا توقف چلے آئیں۔

سردار رسالہ داخل ہوا۔ اور سلام کرتے ہی کہا کہ مبارک ہو عرب کا شیر اب آپ کی قید میں ہے۔

شابان ۔ کیا تم اس کو گرفتار کر لائے ؟

سردار ۔ جی ہاں اس کو بھی اور اس کے بھائی کو بھی۔

شابان ۔ شاباش، سردار شاباش تم نے مسیحی دنیا کی عزت رکھ لی اور وہ کام لیا ہے جو تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔

سردار ۔ ہم نے وعدہ پورا کر دیا۔ اب اپنا وعدہ پورا کیجئے۔

شاہان - کونسا وعدہ؟

سردار - وہی جو روانگی کے وقت نہایت آہستہ مجھ سے کیا تھا۔

شاہان - وہ تو سر کاٹ کر لانے کے متعلق تھا۔

سردار - تو پھر سر کاٹ کر پیش کر دیا جائے گا۔

شاہان - نہیں سردار ایسا ہرگز نہ کرنا۔ یہ بہت اچھا ہوا کہ تم اس "عرب بہادر" کو زندہ قید کر لائے۔

سردار - تو پھر وعدہ پورا کرنے کا قول دیجئے۔

شاہان - گھبراؤ نہیں وعدہ کا ایک ایک لفظ پورا کیا جائے گا۔

اچھا اب تم جاؤ اور ان دونوں عربوں کو اپنے سواروں کے ساتھ لشکر میں پھراؤ۔ تاکہ رومی فوج میں جوش پیدا ہو میں آج ہی دس بجے دربار منعقد کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ اس میں "ملکہ" "جوزلیفائن" اور تمام سرداران فوج و سپاہی شامل ہوں گے۔ اس وقت "حسین سوار" اور اس کے بھائی کو میرے سامنے پیش کرنا۔

سردار رسالہ یہ سنکر رخصت ہوا۔ اور شاہان نے غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر دربار کی تیاری کی۔ اس وقت رومی لشکر میں عجیب چہل پہل تھی کہ ہر شخص جامہ میں پھولا نہ سماتا تھا۔ اور حسین سوار وضرار کے متعلق ہر جگہ چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔

کوئی کہتا کہ عرصہ دراز کے بعد خداوند مسیح ہم سے راضی ہوئے ہیں۔ کوئی کہتا کہ کنواری مریم نے مدت مدید کے بعد اپنے بچوں کو نظر شفقت سے دیکھا ہے۔ کوئی کہتا کہ خداوند خدا نے اب انتقام کا ہاتھ بلند کیا ہے۔ کوئی کہتا کہ بس اب ہمارا گیا ہوا ملک واپس آجائے گا۔ اور حسین سوار دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت کر دیا جائیگا۔

غرض ہر جگہ دس دس پانچ پانچ آدمیوں کی ٹولیاں اس قسم کی باتیں کر رہی تھیں۔ کہ سواروں کا دستہ "حسین سوار" اور ان کے بھائی کو اپنے جھرمٹ میں لئے ہوئے جوزلیفائن وملکہ کی قیام گاہ کے پاس سے گذرا۔ جوزلیفائن یہ دیکھ کر تڑپ گئی۔ کہ اس کی تمناؤں کا آفتاب خونخوار سواروں میں گھرا ہے۔ اور آہنی زنجیروں سے جکڑا ہوا

ہے۔ ملکہ بھی یہ عبرت انگیز منظر دیکھ کر بے حد متاسف ہوئی۔ کہ جو شیر ہزاروں کی صف کو چیر کر نکل جاتا تھا وہ اس وقت سپاہیوں کے جھرمٹ میں پابہ زنجیر تھا۔ عنقریب تھا کہ جوزیفائن اپنی زندگی کا خاتمہ کرلے یا رومی سپاہیوں پر حملہ کردے۔ لیکن کسی امید پر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور آلام و مصائب کے پہاڑ کو سر پر اٹھا لیا۔

انعقاد دربار کی خبر ملکہ و جوزیفائن کے کانوں میں بھی پہونچ چکی تھی۔ اور وہ اس کو دل سے ناپسند کرتی تھیں۔ لیکن مجبور تھیں۔ قیصر یہاں سے صدہا میل کے فاصلہ پر تھا۔ اور شابان کی وفاداری پر یقین نہ تھا۔ ان کو شبہ تھا کہ کہیں شابان حسین سوار و ضرار کے ساتھ راستہ میں کسی حیلہ سے ان دونوں کا بھی خاتمہ نہ کرادے۔ لہذا ان دونوں نے قہر درویش برجان درویش اس فوجی دربار میں شرکت کا ارادہ کرلیا۔ شاید کہ وقت پر وہ شریف عرب قیدی کی کوئی خدمت کرسکیں۔

بہرحال وہ وقت آیا کہ سپاہی دو رویہ کھڑے ہو گئے۔ اور سرداران فوج کی آمد شروع ہو گئی۔ ان سب کے آخر میں شابان آیا۔ اور پھر ملکہ و جوزیفائن آئیں۔ یہ سب اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔

ملکہ اور جوزیفائن کا تمام سپاہیوں اور سرداروں نے کھڑے ہو کر خیر مقدم کیا۔ جوزیفائن کے متعلق کچھ سرگوشیاں ہو رہی تھیں کہ اتنے میں رسالہ کا سردار "حسین سوار" اور حضرت ضرار کو لے کر داخل ہوا۔ تو سب کی نظریں اس طرف اٹھ گئیں۔ آگے آگے صلیبی جھنڈا تھا۔ اس کے بعد سردار رسالہ تھا۔ اور پھر پچاس مسلح سپاہیوں کی حراست میں عرب کے یہ دو شیر پابزنجیر آرہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ دونوں شابان کے سامنے لاکر کھڑے کردیئے گئے۔

اس وقت جوزیفائن کے قلب کا حال جو تھا۔ اس کی تصویر کھینچنا قلم و زبان کی قدرت سے باہر ہے۔ یہ مجنوں صفت لیلیٰ اس قیامت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی کہ اس کی دنیا کا چاند خونخوار سپاہیوں کے ہالہ میں ہے اور ظلم و جور کی گھٹائیں برسنے کے لئے اس کے سر پر جھوم رہی ہیں۔ کاش کہ زمین پھٹتی اور وہ سما جاتی۔ آسمان ٹوٹ پڑتا۔

اور وہ فنا ہو جاتی لیکن یہ محشر خیز منظر اس کی آنکھوں کے سامنے نہ آتا۔

مجاہدانہ مکالمہ

زمین کے ذروں اور آسمان کے ستاروں نے عجیب و غریب انقلابات دیکھے ہیں۔ ان میں سے یہ تماشائے انقلاب بھی کچھ کم حیرت انگیز نہ تھا۔ کہ وہ "بہادر عرب" جن کا نام سنکر رومی کانپ اٹھتے تھے۔ اور جس کا ایک نعرۂ تکبیر میدان جنگ میں شیر کی گرج سے زیادہ خوفناک تھا۔ اس وقت پابہ زنجیر شاہان کے سامنے کھڑا تھا۔ اور بہت سے بزدل اس کے قتل کا حکم سننے کے منتظر تھے۔

لیکن اس کے صبر و استقلال کا یہ عالم تھا کہ پیشانی پر شکن نہ تھی۔ اور چہرہ پر پژمردگی و افسردگی کا مطلق اثر نہ تھا۔ رومی سپاہی یہ دیکھ کر متعجب تھے کہ جس کے سر پر جلاد کی تلوار لٹک رہی ہے۔ وہ اس قدر بے خوف و نڈر کیوں ہے؟ لیکن انھیں خبر نہ تھی کہ ایک مسلمان موت کو جنت الٰہی کا پل سمجھتا ہے۔

البتہ اس "بہادر عرب" کے دوسرے رفیق حضرت ضرار پژمردہ اور کچھ افسردہ تھے نہیں معلوم ان کے دل و دماغ کس قسم کے خیالات کی آماجگاہ تھے کہ چہرہ پر ایک رنگ آتا اور دوسرا جاتا تھا۔ اچانک ان کی آنکھیں جوزلیفائن سے لڑیں۔ جو شاہان کی بائیں طرف بیٹھی تھی۔ ضرار نے "حسین سوار" کے کان میں جھک کر کہا۔

"سر اٹھاؤ اور ایک آخری نگاہ سے شہزادی جوزلیفائن کو دیکھ لو کہ وہ بھی اس دربار تماشا میں موجود ہے"!

حسین سوار نے سر اٹھا کر دیکھا تو جوزلیفائن اسے دیکھ رہی تھی۔ جونہی نگاہیں چار ہوئیں شہزادی بے ہوش ہو کر کرسی سے گر پڑی۔ حسین سوار نے بھی بے حد ضبط کیا لیکن پتہ پانی ہو گیا۔ اور آنکھوں سے آنسو بہہ کر بہ نکلا۔ جوزلیفائن کو اس کے خیمہ میں پہونچا یا گیا۔ اور ملکہ بھی اس کی خبرگیری کے لئے چلی گئی لیکن شاہان نے دربار ملتوی نہیں کیا۔ کیونکہ وہ اس راز کو سمجھ چکا تھا اور جانتا تھا کہ حسین سوار کی قسمت کا

فیصلہ سنانا اب زیادہ موزوں ہے۔ لہٰذا اس نے حسین سوار کو مخاطب ہو کر کہا کہ :۔
"اب رومی طاقت کا حال معلوم ہو گیا"
حسین سوار۔ کیسا حال۔؟
شابان۔ یہی کہ اب تم رومی بہادری کے سامنے مقید کھڑے ہو اور اپنی قسمت کے فیصلہ کے منتظر ہو۔
حسین سوار۔ اس کا سبب رومی طاقت نہیں بلکہ خدا کا حکم ہے۔
شابان۔ تم اسے خدا کا حکم سمجھو۔ لیکن درحقیقت تمھاری گرفتاری رومی طاقت کا ادنیٰ مظاہرہ ہے۔
حسین سوار۔ اگر رومی طاقت نے مجھے گرفتار کیا ہے تو مجھے رہا کر دو اور پھر تمام فوج کو میرے مقابلہ میں لے آؤ۔ رومی طاقت کا انجام معلوم ہو جائے گا۔
شابان۔ اُف رے غرور رسی جل گئی۔ مگر اس کے بل نہیں جلے۔
حسین سوار۔ یوں کہو کہ شیر زنجیروں میں مقید کر لیا گیا۔ لیکن شبر کے تیور نہیں بدلے۔
شابان۔ اگر اب تک نہیں بدلے تو جلاد کی تلوار بدل دے گی۔
حسین سوار۔ دگر بج کر رومی کتے تو ہمیں موت سے ڈراتا ہے۔ یاد رکھ کہ موت تجھ جیسے مشرکوں کو ڈرا سکتی ہے لیکن ہم اس کو لقاء یزدانی کا زینہ سمجھتے ہیں
شابان۔ اچھا تو اب اس زینے پر چڑھئیے یعنی موت کے گھاٹ اترنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔
حسین سوار۔ میں اس کے لئے پہلے سے تیار ہوں۔
شابان۔ تمھارے رفیق ضرار کو بھی اب مرنے کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے
ضرار۔ بزدل رومی! ہم مسلمان ہیں اور مسلمان ایسی موت پر فخر کرتا ہے۔ حتی کہ جب ہمارے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے۔ تو ہماری مائیں یہ دعائیں مانگ مانگ کر اسے پالتی ہیں کہ وہ اللہ کے لئے جئے اور اللہ کے لئے مرے۔

جوان ہو تو غازی بنے اور مرے تو شہید ہو۔

شاہان۔ جب جلاد کی تیغ کے نیچے گردن آئے گی۔ تو ان جملوں کی بھی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔

حسین سوار۔ او نمرود! جب تو خدا کے سامنے جائے گا۔ تو تجھکو بھی اپنی حقیقت ہو جائے گی۔

شاہان۔ اس وقت خداوند مسیح ہمارے ساتھ ہو گا۔

حسین سوار۔ وہ تم سے بیزار ہو گا۔

شاہان۔ وہاں دیکھا جائے گا۔ لیکن یہاں تو تلوار میرے ہاتھ میں ہے۔

حسین سوار۔ مگر تیرا ہاتھ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ جس کے حکم بغیر ذرہ بھی جنبش نہیں کر سکتا۔

شاہان۔ اس کی جنبش اب دیکھ لینا۔

حسین سوار۔ تو اس جنبش کا نتیجہ بھی دیکھ لینا۔

شاہان۔ اس کا جواب ابھی جلاد آ کر دے گا۔

یہ کہا اور جلاد کو بلانے کا حکم دیا۔ جلاد فوراً ہی حاضر ہوا۔ اور شاہان نے فرعونی لہجہ میں حکم دیا۔ کہ انھیں لے جاؤ اور چھاؤنی کے وسط میں کھڑا کر کے ان دونوں کی گردنیں مار دو۔

یہ حکم سنتے ہی تمام فوج میں مسرت و شادمانی کے باجے بجنے لگے لیکن ایک افسر نے شاہان کے پاس آ کر کہا کہ:۔

"نتائج اور عبرت کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہو گا کہ ان دونوں کی گردنیں انطاکیہ میں قیصر کے سامنے ماری جائیں"۔

یہ کہہ کر شاہان سے کچھ سرگوشی کی۔ شاہان کی سمجھ میں بھی یہ مصلحت آ گئی اور اس نے حکم دیا کہ:۔

"انطاکیہ یہاں سے دو منزل ہے۔ لہذا ان دونوں مجرموں کو

بحفاظت تمام انطاکیہ پہونچا دیا جائے اور وہاں سے قیصر کے سامنے پیش کر کے قتل کیا جائے ۔"

اس رائے کو سب نے پسند کیا ۔ اور حسین سوار و ضرار کی زندگی کے کچھ سانس اور نکل آئے ۔

مقتل کی طرف روانگی

دربار سے چلے آنے کے بعد جوزیفائن کچھ عرصہ تک بیہوش رہی ۔ لیکن جب اسے ہوش آیا اور یہ معلوم ہوا کہ قتل کا حکم دے دیا گیا ہے ۔ مگر اس کی تعمیل انطاکیہ میں ہوگی ۔ تو ایک گونہ اطمینان ہوا لیکن پھر بھی وہ بیقرار و مضطر تھی اور بار بار ملکہ سے دریافت کرتی تھی کہ گیتی پناہ قیصر کی اس بارے میں کیا رائے ہوگی ۔ ملکہ نے اس کو تسلی دینے کی پوری سعی کی ۔ اور یہ اطمینان دلایا کہ قیصر ممکن ہے کہ حسین سوار کو فوجی افسران کے اصرار سے جیل خانہ بھیجدیں لیکن یہ ہرگز گوارا نہ کریں گے کہ انھیں قتل کر دیا جائے ۔

اس سے جوزیفائن کو تاریک مطلع میں امید کی ایک شعاع نظر آئی لیکن یہ شعاع اس کے قلب مضطر کے لئے ناکافی تھی ۔ اور وہ بہت سے خیالات پریشان کی گذرگاہ بنی تھی ۔ جس میں سے ایک یہ بھی تھا کہ قیصر نہایت متعصب ہے اور پادریوں کے ہاتھ میں ہے ۔ حسین سوار کے قتل کر دینے پر پادری اور فوجی افسر دونوں قیصر کو ورغلائیں گے ۔ اور اغلب ہے کہ وہ ان کے مشورہ کے سامنے سر خم کر دے گا ۔

شاہان نے تمام فوج کو حکم دیا کہ وہ انطاکیہ کو روانہ ہو ۔ حسین سوار اور ضرار کو ان ہی سواروں کے دستہ کے سپرد کیا جس نے انہیں گرفتار کیا تھا ۔ فوج اور یہ دستہ جس وقت ان دونوں اسیران کو انطاکیہ لے جانے کی تیاری میں مصروف تھا ۔ تو دستہ کا سردار شاہان کے پاس آیا اور کہا ۔ کہ :۔

"مجھے اندیشہ ہے کہیں قیصران اسیروں کو رہا نہ کر دے"

شاہان ۔ سردار یہ ناممکن ہے ۔ اگر ایسا ہوا تو تمام فوج باغی ہو جائے گی۔

سردار ۔ لیکن قیصر کو یہ کیونکر معلوم ہو گا ۔

شاہان ۔ میں خود قیصر کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کروں گا۔

سردار ۔ آپ سے پہلے ملکہ اور قیصر کی اکلوتی بیٹی جوزلیفائن پہنچ جائے گی۔ اور وہ جس طرح ممکن ہو گا قیصر کو ان کی رہائی پر راضی کریں گی۔

شاہان ۔ لیکن مجھے امید ہے کہ قیصران دشمنان ملک وملت کے بارہ میں ان کی سفارش نہ سنے گا۔

سردار ۔ معزز سپہ سالار شاید آپ کو معلوم نہیں کہ حسین سوار میدان یرموک میں انطاکیہ سے آیا تھا ۔ وہ اور اس کا دوسرا رفیق ضرار دونوں قیصر کے مہمان رہ چکے ہیں۔

شاہان ۔ (چونک کر ذرا حیرت سے) قیصر نے اپنے علانیہ دشمنوں کو مہمان کیوں بنایا ۔؟

سردار ۔ جوزلیفائن سخت بیمار تھیں ۔ اور بچنے کی کوئی توقع نہ تھی ۔ اطباء یکسر عاجز آگئے تھے ۔ مگر مرض بدستور موجود تھا ۔ ملکہ نے کہا کہ میری لخت جگر کا اصلی طبیب حسین سوار ہے ۔ وہ اگر کسی طرح آ جائے تو اسے شفا ہو سکتی ہے ۔ قیصر اکلوتی بیٹی کی محبت میں اندھا ہو رہا تھا ۔ اس نے حسین سوار کی تلاش میں کئی قاصد بھیجے۔ بہت تلاش وجستجو کے بعد یہ انطاکیہ پہونچے ۔ اور ان کے پہونچتے ہی جاں بلب مریضہ اچھی ہو گئی ۔ گویا ایک مردہ قبر میں سے جا کر پھر واپس آ گیا ۔

شاہان ۔ یہ تو مجھے معلوم تھا کہ جوزلیفائن وحسین سوار کے عشق ومحبت کی خبر ملکہ کو ہے ۔ لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ قیصر بھی اس راز نہفتہ سے واقف ہو چکا ہے ۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا ۔ تو ان دونوں مجرموں کو وہیں قتل کرا دیتا ۔

میں تو سمجھ رہا تھا کہ آپ کو یہ سب واقعات معلوم ہیں ۔ مگر آپ قیصر سے

اپنے حسب منشار فیصلہ صادر کرائیں گے۔

شابان۔ نہیں مجھے یہ واقعات بالکل معلوم نہ تھے۔

سردار۔ اب اس کی تلافی کیا ہو سکتی ہے۔؟

شابان۔ دیکھو سوچکر، خیر کچھ مضائقہ نہیں۔ میں پہلے بطریق اعظم کو قیصر کے پاس بھیجدوں گا۔ اور پھر حسین سوار و ضرار کے قتل کا محضر نامہ لیتا جاؤں گا۔ تاکہ وہ اس پر دستخط کردے۔ بطریق اعظم اس محضر نامہ کی تائید کریں گے۔ اور میں کل فوج کی طرف سے یہ محضر نامہ پیش کروں گا۔ اس کے بعد یقین ہے کہ قیصر اول تو فوج کی بغاوت کے خیال سے اس کی مخالفت نہ کرے گا۔ دوسرے بطریق اعظم کی تائید کو وہ کسی طرح نہیں ٹال سکتا۔

سردار۔ یہ تدبیر بالکل درست ہے۔

غرض یہ سرداران فوج حسین سوار کو قتل کرانے کی سازش مکمل کر رہے تھے۔ اور بدنصیب جوزیفائن اس کی رہائی کے متعلق ملکہ سے مشورہ کر رہی تھی لیکن جس قدر سرداران فوج کی امیدوں کا مطلع روشن تھا۔ اسی قدر جوزیفائن کی تمناؤں کا آفتاب تاریک تھا۔ یہاں تک کہ اس بیم و رجا میں دو یوم گذر گئے۔ اور انطاکیہ کے محلات شاہی کے کنگرے نظر آنے لگے جن کی دیواروں کا سایہ حسین سوار کا مقتل بننے والا تھا۔

حسین سوار کی مدینہ منورہ میں طلبی

حسین سوار کی شجاعت جانبازی یوں تو تمام دنیائے اسلام میں مشہور تھی لیکن دار الخلافہ مدینہ منورہ میں خاص چرچا تھا۔ اور ہر کہہ و مہ اس بہادر نوجوان کی زیارت کا مشتاق تھا۔ یہاں تک کہ امیر المومنین فاروق اعظم نے حضرت ابو عبیدہ کو فتح یرموک کے بعد خط لکھا تھا کہ وہ حسین سوار کو چند روز کے لئے مدینہ منورہ بھیجدیں۔ اہل مدینہ ان کے دیدار کے آرزومند ہیں۔ جب یہ قاصد خط لے کر پہونچا تو حضرت ابو عبیدہ حلب میں تھے۔ اس خط کے پہونچتے ہی حضرت ابو عبیدہ

ناقہ سوار دوڑائے کہ وہ حسین سوار کو لے آئیں۔ تاکہ ان کو اسلامی اعزاز کے ساتھ دارالخلافت بھیجد یا جائے۔

ناقہ سوار یرموک پہنچا اور شہر یرموک کی ایک ایک گلی کو چھان مارا مگر حسین سوار اور ھزار کا پتہ نہ چلا۔ اسلامی لشکر کے اعلیٰ افسر نے بھی جستجو و تلاش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ لیکن صرف اتنا پتہ چلا کہ فتح یرموک سے اگلے روز وہ بعض مہمانوں کے ہمراہ باہر گئے تھے۔ اور فرما گئے تھے کہ میں کل واپس آجاؤں گا۔ لیکن ایک ہفتہ سے زیادہ گذر گیا۔ مگر واپس نہیں ہوئے۔ یہاں یہ سمجھا گیا تھا کہ شاید وہ جوش جہاد میں حلب یا حمص چلے گئے ہوں گے۔ اور حضرت ابوعبیدہ کے ہمراہ جنگ آزما ہوں گے لیکن اب معلوم ہوا کہ وہ وہاں بھی نہیں۔ آہ انھیں کیا معلوم تھا کہ عرب کا شیر اور ان کا بھائی عیسائیوں کی قید میں ہے۔ اور قتل کا فتویٰ اس کے لئے صادر ہو چکا ہے۔

اس گم گشتگی نے یرموک میں بھی تشویش پیدا کر دی۔ اور جب ناقہ سوار پہونچا تو وہاں بھی اس خبر نے اضطراب و بے چینی کا طوفان عظیم پیدا کر دیا۔ عام طور پر یہ خیال تھا کہ حسین سوار اور ان کے بھائی یا تو فریب سے کہیں شہید کر دیئے گئے اور یا مسیحیوں نے دھوکہ دے کر انھیں گرفتار کر لیا۔ حضرت ابوعبیدہ نے دارالخلافہ کو خط کا جواب لکھا۔ اور بہت سے ہوشیار و بہادر سپاہیوں کو حسین سوار کی تلاش و جستجو میں مختلف مقامات پر بھیجا۔ اسی کے ساتھ جب قنسرین و حلب فتح ہو گئے تو حضرت ابوعبیدہ نے انطاکیہ پر دھاوا بول دیا۔ انطاکیہ یہاں سے کئی منزل تھا۔ اور رومیوں و عیسائیوں نے یہیں آکر پناہ لی تھی۔ کیونکہ انطاکیہ قیصر کا خاص دارالسلطنت تھا۔

جب حضرت ابوعبیدہ روانہ ہوئے تو حلب والوں سے جزیہ پر صلح ہو گئی تھی۔ اور ان کی جان و مال۔ شہر پناہ۔ مکانات۔ قلعے اور گرجوں کی حفاظت کا معاہدہ لکھدیا تھا۔

یہ مسلمان فاتحین کی ایسی فیاضی تھی جس کی نظیر مسیحی تاریخ میں موجود نہ تھی۔

مدینہ منورہ میں جب حسین سوار کی گم گشتگی کی خبر پہونچی۔ تو ایک کہرام مچ گیا۔ مساجد

میں دعائیں ہونے لگیں۔ اور گھروں میں خواتین حسین سوار کے لئے گڑگڑانے لگیں کہ خدایا اس بہادر نوجوان کو اپنی حفاظت میں رکھیو۔

امیرالمومنین بھی اس خبر کو سنکر تڑپ گئے۔ اور انھوں نے حضرت ابوعبیدہ اور حضرت خالد دونوں کو تحریر کیا۔ کہ حسین سوار کا بہت جلد پتہ چلایا جائے۔ ہر ممکن سعی اس بارے میں کی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ کانِ شجاعت کا لیے بہا جوہر گم ہو جائے اور دنیائے اسلام ایک ایسے شجاع و بہادر نوجوان کے غم میں ماتم گسار ہو جس کے لئے وہ تیار نہیں۔

حضرت ابوعبیدہ دو منزلوں کی ایک منزل کرتے ہوئے انطاکیہ پہونچ گئے۔ اور انھوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن اس واقعہ سے زیادہ مغموم تھے کہ حسین سوار کا اب تک پتہ نہ چلا۔ بعض سپاہی بھیس بدل کر شہر میں پہونچے۔ اور تمام مقامات تلاش کر ڈالے۔ لیکن حسین سوار کا مطلق پتہ نہ چلا۔ اس سے اسلامی فوج میں اور زیادہ تردد و تفکر پیدا ہوا نیز حضرت ابوعبیدہ بھی اکثر مغموم رہنے لگے۔ جوں جوں وقت گذرتا گیا تھا یہ خیال اور بھی مستحکم ہو گیا کہ عیسائیوں نے حسین سوار کو قتل کر دیا۔ بعض دیگر مقامات سے بھی قاصد پہونچے۔ اور انھوں نے بھی یہی لاعلمی ظاہر کی۔ اس خیال کو اور زیادہ پختہ کر دیا جس کے تصور سے ہر مسلمان بیتاب ہو جاتا تھا۔

محاصرہ اور تلاش

اول ہی روز انطاکیہ کا محاصرہ کر دیا گیا حضرت ابوعبیدہ کا خیال تھا کہ انطاکیہ قیصر کا پایۂ تخت ہے۔ لہذا عیسائی اس کو بچانے کے لئے جان پر کھیل جائیں گے لیکن یہ دیکھ کر ایک گونہ تعجب ہوا کہ میدان میں رومیوں نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ اور بغیر کسی جنگ کے وہ قلعہ بند ہو گئے۔ اس سے مسلمانوں کے حوصلے اور بڑھ گئے۔ اور انھیں یقین ہو گیا کہ اب رومی اس قدر مرعوب ہو گئے ہیں کہ وہ کسی میدان میں مسلمانوں کے سامنے آنا نہیں چاہتے۔

حسین سوار کی تلاش آتے ہی شروع ہو گئی تھی۔ اور جوں جوں وقت گذر رہا تھا۔ اسی قدر فکر اور تردد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ کہ اب تک پتہ نہیں چلا۔
رات کا وقت تھا۔ اور حضرت ابو عبیدہ اپنے خیمہ میں فروکش تھے۔ کہ چند سپاہیوں کا ایک وفد حاضر ہوا۔ اور امیر وفد نے عرض کیا۔
معزز سپہ سالار! حسین سوار کی گم گشتگی سے سب بے چین ہیں اور تمام فوج میں ہلچل ہے۔ ہر جگہ یہی تذکرہ ہے کہ کان شجاعت کا یہ بے مثل جوہر کہاں گم ہو گیا۔
ابو عبیدہ۔ میں بھی تنہا بیٹھا ہوا یہی غور کر رہا تھا۔
امیر وفد۔ سنا ہے جناب نے شہر میں چند تلنفس تلاش کرنے کیلئے بھیجے تھے؟
ابو عبیدہ۔ مگر کچھ پتہ نہیں چلا اور وہ ناکام واپس آئے۔
امیر وفد۔ اس سے تو کچھ اور شبہ ہوتا ہے۔
ابو عبیدہ۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جب رومی بھگوڑے یرموک سے واپس ہوئے تو انھوں نے اپنی شکست کا انتقام رعایا سے لیا بستیوں کو لوٹا۔ آگ لگائی اور رہزنی کی۔ یہاں تک کہ جو سامنے آیا یا کہیں کا اکا دکا مل گیا۔ تو اسے بیدریغ قتل کر ڈالا۔ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ کہیں حسین سوار اور ان کا بھائی ضرار اچانک ان کے ہتھے نہ چڑھ گئے ہوں۔
امیر وفد۔ اس قسم کی وحشتناک خبریں میرے کانوں میں بھی آئی ہیں۔ اور عام خیال یہی ہے۔ ورنہ وہ اس قدر عرصہ تک کبھی غائب نہیں رہے۔
ابو عبیدہ۔ مجھے یہ بھی تحقیق ہو چکا ہے کہ وہ جوزیفائن اور ملکہ کے ہمراہ روانہ ہوئے تھے۔ اور یہ کہہ گئے تھے کہ میں انھیں کچھ دور پہونچا کر واپس آجاؤں گا۔ اس سے ان کا سفر کرنا تو ثابت ہوتا ہے۔
امیر وفد۔ جوزیفائن اور ملکہ کا بھی کچھ پتہ چلا کہ وہ کہاں ہیں۔؟
ابو عبیدہ۔ ان کا بھی حال کچھ نہیں معلوم۔
امیر وفد۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ وہ قیصر کے پاس پہونچ گئی ہوں۔ اور

یہ دونوں کہیں قتل کرا دیئے گئے ہوں۔

ابو عبیدہ۔ یہ خیال زیادہ اغلب ہے۔

امیر وفد۔ میرے اور اس وفد کے حاضر ہونے کی اس وقت غرض یہی تھی۔ کہ حسین سوار کے متعلق حالات معلوم کئے جائیں۔ اور فوج کو مطمئن کرنے کی سعی کی جائے۔

ابو عبیدہ۔ لیکن خود ہم لوگ اس قدر تاریکی میں ہیں تو فوج کو کیا اطمینان دلایا جائے۔

امیر وفد۔ آپ کی اجازت ہو تو میں چند ہوشیار اور واقف کار سپاہیوں کو اسی غرض کے لئے متعین کر دوں کہ وہ جس طرح ممکن ہو حسین سوار کا کھوج نکالیں۔

ابو عبیدہ۔ یہ بالکل مناسب ہے اور میں اسے دل سے پسند کرتا ہوں۔

امیر وفد اس امر کی اجازت لے کر اپنے خیمہ میں آئے۔ اور انھوں نے اپنے رفیقوں کے ساتھ یہ حلف اٹھایا کہ وہ شام کا ایک ایک چپہ چپہ چھان ماریں گے۔ اور جب تک حسین سوار کا پتہ نہ چلالیں گے۔ اس وقت تک واپس نہ آئیں گے۔ ان سب نے اپنے لباس وہیئت کو بدل لیا۔ اور رومی پوشاک پہن لی۔ ان میں سے بعض رومی بن کر دشمنوں کے کیمپ یعنی انطاکیہ شہر میں گھس گئے۔ بعض حلب و حمص کی طرف روانہ ہوئے۔ اور بعض یرموک کی طرف چلے۔

جو لوگ انطاکیہ شہر میں داخل ہوئے ان کا کام سب سے زیادہ مشکل تھا۔ اور ان کی جان خطرہ میں تھی۔ اگر ذرا بھی شبہ ہو جاتا تو فوراً قتل کر دیئے جاتے۔ لیکن اسی زمانہ میں اپنے بھائیوں کے لئے مر جانا اور ان کی فلاح و بہبود پر اپنے تئیں قربان کر دینا مسلمانوں کا عام شیوہ تھا۔

چنانچہ اس مقدس نصب العین کے ماتحت دو مسلمان سپاہی رومی بن کر شہر انطاکیہ میں داخل ہوئے اور انھوں نے کسی طرح رومی فوج کے افسروں میں رسوخ حاصل کر لیا۔ آخر کار یہ اس فوجی دستہ میں شامل ہو گئے جو محلات شاہی کی حفاظت کر رہا تھا

ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ قیصر انطاکیہ کو الوداع کہہ چکا تھا لیکن اس خبر کو اس قدر چھپایا گیا تھا کہ محلات شاہی کی فوج کو کچھ خبر نہ تھی لیکن مسلمان نوجوان نے اس خبر کو کسی نہ کسی طرح معلوم کر لیا اور وہ اس سے بے حد خوش ہوئے۔ مگر حسین سوار کی گمشدگی اور پتہ نہ چلنے کی خبر نے ان کے دلوں کو مرجھا دیا۔ اور باغ امید بہار دیکھنے سے پہلے خزاں رسیدہ ہو گیا۔

اتفاقیہ ملاقات

صبح صادق کی روشنی نمودار ہو گئی ہے۔ اور ایک سڑک پر جو انطاکیہ سے یرموک کو جاتی ہے۔ دو مسافر قدم بڑھائے چلے جا رہے ہیں۔ ان کی وضع بالکل رومی ہے۔ لیکن جب چلتے چلتے ایک چشمہ آیا۔ تو یہ دفعتاً ٹھہر گئے۔ اور ہاتھ منہ دھونے کے لئے چشمہ پر جا بیٹھے۔ اگرچہ صورت و لباس سے رومی معلوم ہوتے تھے۔ مگر انھوں نے مسلمانوں کی طرح وضو کیا۔ پھر ایک نے اذان دی۔ اور دونوں نے جماعت سے نماز پڑھی۔

ان کا طریقہ عبادت اور ہیئت دونوں متضاد تھے۔ اور اس لئے موجب تعجب تھے لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ یہ دونوں وہ بہادر سپاہی ہیں۔ جو حسین سوار کی تلاش میں پھر رہے ہیں تو یہ حیرت رفع ہو گئی اور معلوم ہوا کہ کسی مسلمان بھائی کی خاطر یہ جوگ اختیار کیا ہے۔

ان دونوں نے نماز سے فارغ ہو کر پھر چلنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آفتاب کی شعاعیں ان کے سروں پر چمکنے لگیں جس وقت آفتاب ذرا بلند ہوا تو سامنے سے گرد اڑتی نظر آئی۔ اور ایسا معلوم ہوا کہ کوئی فوج دھاوا کرتی ہوئی آ رہی ہے۔

ان دونوں بھائیوں میں ایک کا نام مسکور اور دوسرے کا مخرمہ تھا۔ مسکور نے کہا کہ:۔

"یہ کوئی لشکر آ رہا ہے۔"

مخرمہ۔ خدا کرے کہ یہ مسلم لشکر ہو۔

مسعود ۔ اس طرف سے کسی اسلامی لشکر کے آنے کی امید نہیں۔
مخرمہ ۔ شاید کوئی نئی کمک امیر المومنین نے مدینہ منورہ سے روانہ کر دی ہو۔
مسعود ۔ جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے کمک کے لئے نہ لکھا گیا تھا۔ اور نہ اس وقت ضرورت تھی۔
مخرمہ ۔ شاید فتح یرموک کی خبر سنکر مدینہ والوں میں جوش پیدا ہوا اور وہ جہاد کے لئے نکل آئے ہوں
مسعود ۔ یہ ممکن ہے۔
اسی قسم کی باتیں کرتے چلے جاتے تھے کہ صلیب کا نشان نظر آیا اور اس نے بتایا کہ یہ لشکر مسلمانوں کا نہیں۔ بلکہ رومی فوج ہے۔
اس احساس کے بعد مسعود و مخرمہ نے یہ طے کر لیا۔ کہ یہ لشکر یرموک کی طرف سے آرہا ہے۔ لہذا اس میں مل جل کر جسین سوار کا پتہ چلانا چاہئے۔ اور اپنے تئیں رومی ظاہر کرنا چاہیئے۔ چنانچہ یہ دونوں سڑک کے ایک طرف بیٹھ گئے۔ اور جب شابان جو سالار فوج سامنے آیا۔ تو ان دونوں نے سلام کیا۔ لیکن یہ سلام رومی طریق پر نہ تھا۔ اس سے شابان کو شبہ ہوا۔ مگر پھر یہ خیال کر کے کہ یہ بھی مفرور فوج کے سپاہی ہیں۔ اور پریشانی میں مبتلا ہیں۔ یہ وہم دور ہو گیا۔ شابان نے دریافت کیا کہ:۔
"تم کہاں سے آرہے ہو۔"؟
مسعود ۔ ہم فوج سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ اور یہاں بیٹھے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔
شابان ۔ اچھا ہوا کہ تم مل گئے۔ ورنہ آج کل رستے مخدوش ہیں۔ اور دو چار کا سفر خطرے سے خالی نہیں۔
مخرمہ ۔ ابھی تو معلوم ہوا ہے کہ اسلامی لشکر نے انطاکیہ کا محاصرہ کر لیا۔
شابان ۔ نہایت حیرت و تعجب سے! مسلمان ہمارے پہونچنے سے پہلے انطاکیہ پہونچ گئے۔

مخبر مسعود۔ جی ہاں صرف پہونچنے ہی نہیں۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ رومی لشکر ان کے پہونچتے ہی بغیر لڑے قلعہ بند ہو گیا۔ اور انھوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔

شاپان۔ تو کیا ہمارا پایۂ تخت بالکل محصور ہے۔؟

مخبر مسعود۔ مجھے تو وثوق کے ساتھ یہی معلوم ہوا ہے۔

شاپان۔ آہ پھر اس نوجوان کو کس کے سامنے پیش کروں گا۔ اور قیصر سے اس کے قتل کا فتویٰ کس طرح حاصل کروں گا۔

مخبر مسعود۔ آپ نے کس نوجوان کی طرف اشارہ کیا۔

شاپان۔ (جوش غضب میں) وہی نوجوان جس نے ہماری فوجوں کو خاک میں ملا دیا۔ اور یرموک کی فتح کو ہم سے چھین لیا۔

مخبر مسعود۔ کیا حسین سوار کی طرف اشارہ ہے۔؟

شاپان۔ ہاں حسین سوار اب ہماری قید میں ہے۔ اور ہم اسے قتل کرنے کے لئے انطاکیہ لے جا رہے ہیں۔

یہ سنتے ہی یہ دونوں سناٹے میں آ گئے۔ اور پاؤں تلے سے زمین نکلنے لگی۔ مگر کسی طرح ضبط کیا۔ اور اپنے جذبات کو قابو میں کیے مسعود نے کہا کہ:۔

حسین سوار کہاں ہے۔؟

شاپان۔ اسی لشکر میں سواروں کے دستہ کی حراست میں۔ لیکن میں یہ سوچ رہا ہوں کہ جب شہر محصور ہے تو اسے کیونکر قیصر تک پہونچایا جائے گا۔ اور اسلامی لشکر کی آنکھ سے کیوں کر چھپایا جائے گا۔

مسعود۔ تو کیا آپ ان کے قتل کرنے کا تصفیہ کر چکے ہیں۔؟

شاپان۔ (کڑک کر) ہاں حسین سوار اور ان کے بھائی ضرار دونوں کے قتل کا حکم دے چکا ہوں۔ تجویز یہ تھی کہ جنگل میں قتل کرنے کی بجائے انطاکیہ شہر میں قیصر کے سامنے قتل کیا جائے۔ تاکہ رومیوں میں جوش پیدا ہو۔

مسعود۔ پھر اب کیا فکر ہے۔؟

شاپان ۔ یہی کہ جب شہر محصور ہے تو یہ آرزو کیوں کر پوری ہو۔ بلکہ مجھے تو خطرہ ہے کہ اگر اسلامی لشکر کو خبر ہو گئی تو وہ ان قیدیوں کو لڑ کر ہم سے چھین لے گا۔

مسنور۔ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمہارے ارادوں پر کسی اور قوت کا ارادہ غالب ہے۔

شاپان۔ ہاں یہی جملہ قتل کے حکم کو سنکر حسین سوار نے کہا تھا۔ اور اب تمہاری زبان سے نکلا۔ لیکن اس وقت بھی میں نے یہی کہا تھا اور اب بھی یہی کہتا ہوں کہ دیکھا جائے گا کہ کس کا حکم غالب ہے۔

قتل کی خفیہ سازش

انطاکیہ سے کچھ دور ایک گھنے باغ میں شاپان اور اس کی فوج مقیم ہے۔ اور وہ اپنے خیمہ میں بیٹھا ہوا کسی خاص مشورہ میں غرق ہے خیمہ کے اندر صرف دو شخص ہیں۔ اور چند سپاہی اس کے چاروں طرف پہرہ دے رہے ہیں۔ اگرچہ آفتاب نصف النہار پر چمک رہا ہے۔ اور بظاہر کسی کا خطرہ نہیں لیکن پہرہ دار نہایت تیزی سے چکر لگا رہے ہیں۔ اور عقاب کی طرح تیز آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ کہ کوئی شخص اس نواح سے نہ گذرے۔ کیونکہ یہ خیال نہایت اہم اور خاص ہے۔

شاپان ایک عمدہ کرسی پر بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا کہ اس خبر نے تمام امیدوں کا خاتمہ کر دیا کہ شہر محصور ہے۔

سردار۔ میں نے سنا ہے کہ قیصر بھی چلے گئے۔

دوسرا سردار۔ ٹھنڈی سانس بھر کر، یہ آواز میرے کانوں میں بھی آئی ہے لیکن ابھی تصدیق طلب ہے۔

شاپان۔ یہ خبر غالباً صحیح ہے۔ میں اسی لئے انطاکیہ کا سفر ملتوی کر کے یہاں ٹھہر گیا تا کہ سوچا جائے کہ اب کیا کریں۔

سردار۔ یہ آپ نے بہت اچھا کیا۔ اگر وہاں فوج جاتی تو یقیناً ہم لوگوں سے

مقابلہ ہوتا۔ اور ہماری شکست یقینا تھی۔

شاہان۔ شکست بھی ہوتی اور حسین سوار جو ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے۔ ہم سے چھین لیا جاتا۔

سردار۔ بالکل بجا فرمایا لیکن اب حسین سوار کے ساتھ کیا کیا جائے۔

شاہان۔ وہی قتل اور فیصلہ کن قتل۔

سردار۔ لیکن ملکہ اور جوزیفائن مزاحم ہوں گی۔ اگر قیصر کے سامنے قتل کیا جاتا تو ان کی مزاحمت نہ ہوتی۔

شاہان۔ ان دونوں کو قتل کی خبر نہ کی جائے۔ اگر بعد میں خبر بھی ہوئی تو پیچ و تاب کھا کر خاموش ہو جائیں گی۔

سردار۔ میرا خیال اس کے برعکس ہے۔ اگر قتل کے بعد خبر ہوئی تو بہت ممکن ہے کہ فوج کو ہمارے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا جائے۔

شاہان۔ اس کا احتمال ضرور ہے لیکن حسین سوار کو بھی زندہ نہیں چھوڑا جا سکتا

سردار۔ احتمال نہیں بلکہ قوی خطرہ ہے کہ فوج کو بغاوت پر آمادہ کیا جائے گا۔ اور عام سپاہی ملکہ و جوزیفائن کے اشارہ پر برانگیختہ ہو جائیں گے۔

دوسرا سردار۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ ملکہ و جوزیفائن کو حسین سوار کے قتل پر راضی کیا جائے۔

شاہان۔ ملکہ راضی ہو سکتی تھیں لیکن جوزیفائن کسی طرح رضامند نہیں ہو سکتیں۔ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے۔ لیکن جوزیفائن اپنا آئین محبت نہیں بدل سکتی۔

سردار۔ تو پھر انجام کچھ ہو حسین سوار اور اس کے بھائی کو ضرور قتل کر دیا جائے۔ تاہم جہاں تک ممکن ہو اُسے چھپایا جائے۔

شاہان۔ یہ زیادہ مناسب ہو گا۔ کہ ایک معتمد دستہ کی حفاظت میں رات کو حسین سوار کو کچھ فاصلہ پر بھیج دیا جائے۔ اور اس دستہ سے کہہ دیا جائے۔

کہ وہ اُسے صبح ہوتے ہی قتل کر دے۔ فوج میں یہ مشہور کر دیا جائے کہ حسین سوار اور اس کا بھائی موت کے ڈر سے کہیں فرار ہو گئے۔

سردار یہ سنکر اچھل پڑا۔ اور کہا کہ معزز سپہ سالار یہ نہایت اچھی تدبیر ہے

رضائے الٰہی پر صبر

جس وقت شاہان قتل کی خفیہ سازش میں مصروف تھا۔ اسی وقت مسئور و مخزمہ رومی سپاہیوں کے لباس میں حسین سوار کے پاس موجود تھے۔ پہرہ دار سمجھتے تھے کہ یہ دونوں رومی لشکر کے بہادر سپاہی ہیں۔ اور حسین سوار کو ملامت کرنے آئے ہیں۔ ان دونوں میں سے پہلے اول مسئور آگے بڑھے۔ اور آہستہ سے حسین سوار کے پاس جاکر کہا کہ :-

السلام علیکم و رحمتہ اللہ

حسین سوار یہ سنکر منہ تکنے لگا۔ مسئور نے پھر کہا۔

السلام علیکم و رحمتہ اللہ۔

لب و لہجہ بالکل عربوں کا سا تھا لیکن لباس رومیوں کا تھا۔ اس لیے حسین سوار کو بہت تعجب ہوا۔ اگرچہ آہستہ سے سلام کا جواب دیدیا۔ لیکن حیرت و استعجاب کے لہجہ میں پوچھا کہ :-

"آپ کون ہیں اور کہاں سے تشریف لائے ہیں"؟

مسئور۔ ہم آپ کے بھائی ہیں اور انطاکیہ سے یہاں پہونچے ہیں۔

حسین سوار۔ انطاکیہ تو رومیوں کے قبضہ میں تھا۔

مسئور۔ اب بھی انھیں کے قبضہ میں ہے۔ لیکن ہماری فوج نے محاصرہ کر لیا ہے۔

حسین سوار۔ (جوش مسرت کے ساتھ) کیا اسلامی لشکر یرموک سے انطاکیہ پہونچ گیا۔ اور اس نے محاصرہ کر لیا۔ ؟

مخزومہ۔ اسلامی لشکر صرف انطاکیہ نہیں پہونچا۔ بلکہ اس نے قنسرین وغیرہ کئی مقامات بھی فتح کر لئے۔

حسین سوار۔ (جوش مسرت سے ہتھکڑیوں کو حرکت دے کر) اہا کیا قنسرین فتح ہو گیا۔ اور اب انطاکیہ فتح ہونے والا ہے۔ کاش کہ اس فتح میں میں بھی شریک ہوتا۔

مسئور یہ جملہ سنکر بے حد متاثر ہوا۔ اور وہ یک بیک سر جھکا کر خاموش ہو گیا

حسین سوار۔ مسئور تم خاموش کیوں ہو گئے۔ کیا فتح کے سرور سے تمہیں مسرت نہیں ہوتی۔

مسئور۔ میں فتح کے نام سے ضرور مسرور ہوں لیکن یہ نہیں دیکھ سکتا۔ کہ یرموک کا فاتح (حسین سوار) اس وقت زنجیروں میں ہے۔ اور اس کے قتل کی تیاریاں ہیں۔

مخزومہ۔ آہ اس جملے نے دل میں برچھیاں چبھا دیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ کل اس وقت یرموک کا فاتح اور فتح انطاکیہ کا متمنی کس جہان میں ہوگا۔

یہ جملہ زبان سے نکلتے ہی مسئور و مخزومہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

حسین سوار۔ آپ صاحبان کچھ غم نہ کریں۔ مسلمان اسی لئے ہے کہ وہ زندہ رہے تو اسلام کی خدمت کرے اور وقت آئے تو اس پر قربان ہو جائے۔ ضرار۔ اگر ہماری قسمت میں شہادت ہے تو آپ اس پر مغموم نہیں بلکہ مسرور ہوں۔

مخزومہ۔ اس پر تو ہم مغموم نہیں۔ ہاں یہ خیال ضرور ہے کہ نیستان اسلام کا ایک شیر اعدائے اسلام کی قید میں ہے۔ اور وہ اس کے قتل کرنے کے منصوبوں سے مسرور ہیں۔

حسین سوار۔ بھائی جان دشمنان اسلام کی یہ خوشی چند روزہ ہے۔ بہت ممکن ہے کہ مجھے قتل کر کے جو لوگ مسرور ہوں۔ وہ کل انطاکیہ کی

دیواروں سے لپٹ لپٹ کر رو دیں اور اپنی سلطنت کے تابوت کو دیکھ دیکھ کر ماتم کریں۔

مسعود و مخرمہ۔ آمین اللّٰہم آمین۔ کسی طرح خدا ہماری شجاعت کے آفتاب کو غروب ہونے سے بچالے۔

حسین سوار۔ خدا کے اختیار میں سب کچھ ہے۔ اگر میں قتل کر دیا جاؤں۔ تو تمہیں رنج نہ کرنا چاہیئے۔ مرضی باری تعالیٰ یہی ہے۔ اور کوئی مسلمان اس سے سرتابی نہیں کر سکتا۔

مخرمہ۔ بیشک مرضی مولا ہمہ اولیٰ۔ مگر اس فطری اور طبعی غم کو کس طرح فراموش کر دیں کہ شجاعت و بسالت کا چاند صبح امید کے طلوع ہونے سے پہلے غروب ہو رہا ہے۔

مسعود۔ اگر ہم دونوں آپ کی خدمت کچھ کر سکتے ہیں۔ تو بلا تکلف ارشاد فرمائیے۔ ہم اس کے لئے تیار ہیں کہ دونوں تلواریں لے کر رومی لشکر میں گھس جائیں یا تو آپ کو آزاد کرائیں یا لڑتے لڑتے خود بھی شہید ہو جائیں۔

حسین سوار۔ تمہیں ایسا غضب نہ کرنا کہ بچاؤ کے لئے اپنے تئیں ہلاکت میں ڈالو۔

مخرمہ۔ یہ ہلاکت میں ڈالنا نہیں بلکہ ہم تو بھیس بدل کر آئے ہی اس لئے تھے کہ کسی طرح آپ کا پتہ چلائیں۔ بس ہم یہاں سے فوراً ہی انطاکیہ پہنچیں گے۔ اور اسلامی لشکر کو ہمراہ لے کر ان رومیوں پر حملہ کر دیں گے۔ اگر ایسا نہ کریں۔ تو ہم دنیا میں مسلمانوں کو اور حشر میں خدا کو منہ دکھانے کے قابل نہیں۔

حسین سوار۔ ہاں آپ لشکر میں جا کر خبر کر سکتے ہیں۔ لیکن انطاکیہ اتنی دور ہے کہ وہاں جانے اور واپس آنے سے قبل ہی میرا خاتمہ کر دیا جائے گا۔

مسعود۔ مجھے بھی یہی خطرہ ہے۔ کیونکہ شاہان کی گفتگو سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ وہ اب اس ناشدنی امر میں بہت عجلت کرنی چاہتا ہے۔

حسین سوار۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔ لہٰذا میری دو وصیتیں سن لو۔ ایک یہ کہ حضرت ابو عبیدہ اور حضرت عمرؓ سے عرض کر دینا کہ۔

"اسلام کا ایک خادم اسلام پر قربان ہو گیا۔ آپ اپنی تلواروں کی دھار سے اس تمام ملک کو فتح کریں۔ اور اس کی روح کو خوش کرتے رہیں میں پسند نہیں کرتا کہ میری ہڈیاں کسی ایسے ملک میں مدفون ہوں جس کے ایک چپہ پر بھی کسی کافر کا قبضہ ہو۔"

ضرار۔ میرا بھی یہی پیام ہے

حسین سوار۔ اور ایک دوسرا پیام اور ہے۔

مخزمہ۔ وہ کیا اور کس کے نام۔؟

حسین سوار۔ وہ پیام روم کی بد نصیب شاہزادی جوزلفائن کے نام ہے جو اسی لشکر میں اپنی والدہ کے ساتھ موجود ہے لیکن آہ! کہ وہ اس آخری وقت میں نہ مجھے دیکھ سکتی ہے اور نہ میں اس تک پہونچ سکتا ہوں۔

مسعود۔ فرمایئے ہم یہ پیام بھی پہونچانے کے لئے بسر و چشم حاضر ہیں۔

حسین سوار۔ بس یہ پیام ایک آخری پیام ہے اور وہ یہ ہے کہ:۔

"وہ زندہ رہیں اور اگر میری روح کو خوش کرنا چاہتی ہیں تو تین خداؤں کی سلطنت سے نکل کر ایک خدا کی سلطنت میں آجائیں"

ابھی یہ جملہ اچھی طرح پورا بھی نہ ہوا تھا۔ کہ سردار شاہان سے گفتگو کرنے کے بعد یہاں آیا۔ اور پہرہ داروں نے مسعود و مخزمہ کو حسین سوار سے جدا کر دیا۔

پیام حبیب

مسعود و مخزمہ حسین سوار سے جدا ہو کر سوچنے لگے کہ پہلے کہاں جائیں مسعود کی رائے تھی کہ جس طرح ممکن ہو لشکر سے نکلیں۔ اور حضرت ابو عبیدہ کو ان واقعات کی خبر کریں۔ مخزمہ نے کہا کہ جوزلفائن اور ملکہ سے بھی ملنا ضروری ہے مسعود نے کہا کہ حسین سوار کی جان بچانی سب سے مقدم ہے مخزمہ نے کہا کہ حسین سوار کا پیام پہونچانا بھی ضروری ہے۔ بہت ممکن ہے کہ روم کی شاہزادی مشرف با سلام ہو جائے۔ یہ جملہ

سنگر مسئورہ نے اپنا اصرار واپس لے لیا اور کہا ہاں اس مقصد عزیز کے لئے بیشک جوزلیفائن کے پاس پہلے چلنا چاہئے۔

چنانچہ یہ دونوں ایک شاندار خیمہ کے پاس پہونچے جس کے چاروں طرف پہرہ تھا اور وسط چھاؤنی میں نمایاں طور پر کھڑا تھا۔ انھوں نے ایک پہرہ دار کے ذریعہ سے جوزلیفائن کی خدمت میں حاضر ہونے کی درخواست کی لیکن وہ اس وقت غم والم کا پیکر مجسم تھی۔ اور اس کا دماغ خدا جانے کن کن المناک خیالات کی آماجگاہ تھا لہذا اس نے ملنے سے انکار کردیا۔ یہ جواب سنگر مسئورہ و مخزمہ بہت مایوس ہوئے۔ لیکن آخری مرتبہ ایک اور سعی کی اور وہ یہ کہ ایک مختصر تحریر بھیجی جس میں لکھا تھا کہ:۔

"ہم حسین سوار کے قاصد ہیں اور ضروری پیام لائے ہیں۔"

یہ تحریر پڑھتے ہی جوزلیفائن چونک اٹھی اور اس کے تمام جسم میں برقی لہریں دوڑ گئیں۔ اگرچہ اس کو ان دونوں کے قاصد بن کر آنے میں کچھ شبہ بھی ہوا۔ مگر غیرت عشق نے گوارا نہ کیا کہ لیلیٰ عرب کے قاصد دروازہ پر آکر محروم جائیں۔

جوزلیفائن فوراً سنبھل کر بیٹھ گئی۔ اور مسئورہ و مخزمہ کو باریابی کا حکم دیا۔ جب یہ دونوں کی شاہزادی کے سامنے آئے۔ تو رومی طریق پر آداب بجالانے کی بجائے اسلامی طریق پر سلام کیا۔ جوزلیفائن یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ:۔

"لباس رومیوں کا اور سلام مسلمانوں کا۔"

لیکن جوزلیفائن نے بھی رومی جواب کی بجائے اسلامی جواب دیا جس سے مسئورہ و مخزمہ کو اس امر کی تصدیق ہوگئی کہ جوزلیفائن اسلامی آداب و معاشرت سے بہت کچھ واقف ہے۔ اور اس کے متعلق اسلامی افواج میں جو کچھ مشہور ہے وہ کافی حد تک صحیح ہے۔

جوزلیفائن نے دونوں کے بیٹھ جانے کے بعد کہا۔

"آپ کا مذہب کیا ہے؟"

مسئورہ۔ ہمارا مذہب دین فطرت ہے۔

جوزلیفائن۔ دین فطرت سے کیا مراد ہے۔؟
مستور۔ اسلام
جوزلیفائن۔ مگر لباس تو رومیوں کا ہے۔
مخزمہ۔ اگر یہ لباس نہ ہوتا تو ہم آپ تک اور اپنے بہادر حسین سوار تک نہ پہونچ سکتے۔
حسین سوار کا نام سنتے ہی جوزلیفائن کا رنگ متغیر ہوگیا لیکن اس نے کسی طرح سنبھالا اور کہا کہ:۔
حسین سوار کا کیا حال ہے۔؟
مستور۔ بہت اچھے ہیں۔
جوزلیفائن۔ وہ مغموم نہ تھے۔؟
مستور۔ نہیں۔
جوزلیفائن۔ وہ دُبلے تو نہیں ہوئے۔؟
مستور۔ نہیں۔
جوزلیفائن۔ ان کا شگفتہ چہرہ تو نہیں مرجھایا۔؟
مستور۔ نہیں۔ شاہزادی صاحبہ نہیں۔
جوزلیفائن۔ ان کا چمپئی رنگ تو میلا نہیں ہوا۔؟
مستور۔ ہرگز نہیں۔
مخزمہ۔ ہاں جس وقت انھوں نے پیام دیا ہے تو وہ ملول ضرور تھے۔
جوزلیفائن۔ وہ پیام کیا ہے۔؟
مستور۔ پیام ایک لحاظ سے نہایت اچھا ہے۔ مگر ایک لحاظ سے نہایت قلق انگیز ہے۔
جوزلیفائن۔ پہلے پیام فرمایئے اس کے بعد یہ توضیح کیجیئے گا۔
مستور۔ حسین سوار نے فرمایا ہے کہ:۔

"آپ زندہ رہیں، اور اگر میری روح کو خوش کرنا چاہتی ہیں تو تین خداؤں کی سلطنت سے نکل کر ایک خدا کی سلطنت میں آجائیں"

جوزلیفائن۔ میں تو اس کے لئے عرصہ سے طیار ہو چکی ہوں۔ مگر اس پیام میں قلق کا پہلو کیا ہے؟

مسئورہ۔ کیا اب تک نہیں سمجھیں؟ اس میں قلق کا پہلو یہ ہے کہ رومی فوج کے سپہ سالار نے کل صبح حسین سوار اور ان کے بھائی کے قتل کرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ اور اس کی اطلاع کسی طرح ان کو پہونچ گئی ہے۔ لہذا یہ پیام آخری پیام ہے۔ یہ سنکر جوزلیفائن بیقرار ہو گئی۔ چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ اور آنکھوں سے شعلے برسنے لگے۔ اس نے کہا کہ۔

"جب تک جوزلیفائن کی جان میں جان ہے ایسا نہیں ہو سکتا۔"

مسئورہ۔ ہم بھی آپ سے رخصت ہو کر انطاکیہ جا رہے ہیں۔ اور قصد ہے کہ صبح ہونے سے پہلے اسلامی فوج یہاں تک پہونچ جائے۔ اور حسین سوار کی بجائے شابان کا سر نیزہ پر نظر آئے۔

جوزلیفائن۔ یہاں میں اپنی والدہ اور وفادار سرداروں سے مشورہ کرتی ہوں۔ اور تم ہوا کی مانند جاؤ۔ اور بجلی کی طرح اسلامی لشکر کو ساتھ لاؤ۔

وقت سے پہلے روانگی

مسئورہ و مخرمہ کے رخصت ہوتے ہی جوزلیفائن ملکہ کے پاس حاضر ہوئیں اور کہا کہ آپ کو معلوم ہے۔ شابان یہاں کیوں ٹھہرا ہے۔

ملکہ۔ شاید اس کا یہ خیال ہو گا کہ یہاں ٹھہر کر نقشہ جنگ تیار کیا جائے۔

جوزلیفائن۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ ایک بہادری تھی لیکن یہ بزدل سردار اس غرض سے یہاں نہیں ٹھہرا۔

ملکہ۔ تو شاید دشمنوں پر شبخون مارنے کا ارادہ ہو گا۔

جوزیفائن ۔ ایام جنگ میں یہ بھی جائز ہے لیکن پاس کا ارادہ اس سے بھی زیادہ قبیح ہے ۔

ملکہ ۔ وہ کیا ۔ ؟

جوزیفائن ۔ مجھے وثوق سے معلوم ہوا ہے کہ شاہان اس فرشتہ خصلت انسان کی ہستی کا چراغ گل کرنا چاہتا ہے ۔ جس کا صرف قصور یہ ہے کہ وہ ان بزدلوں سے زیادہ بہادر، اور ان فریب کاروں سے زیادہ صادق ہے ۔

ملکہ ۔ یعنی حسین سوار کو ۔

جوزیفائن ۔ جی ہاں حسین سوار اور ان کے بھائی ضرار کو ۔

ملکہ ۔ مجھے یہ پتا تھا کہ انھیں انطاکیہ پہنچکر قیصر کے سامنے پیش کیا جائے گا ۔ پھر اس کا ارادہ کیوں بدل گیا ۔

جوزیفائن ۔ معلوم ہوا ہے کہ شہر انطاکیہ کا محاصرہ مسلمان کر چکے ہیں ۔ اور سنا ہے کہ قیصر وہاں سے تشریف لے گئے ہیں ۔ لہذا شاہان اس موقع سے فائدہ اٹھا کر چاہتا ہے کہ اس جوان رعنا کو خاک و خون میں نہلا دے ۔

ملکہ ۔ اسے حسین سوار سے اس قدر کد کیوں ہے ؟

جوزیفائن ۔ ماں جان اس سوال کا جواب میں نہیں دے سکتی ۔ آپ خود سمجھ سکتی ہیں ۔

ملکہ ۔ کیا اسے تمھارے اور حسین سوار کے تعلقات کا علم ہے ۔ ؟

جوزیفائن ۔ میرے خیال میں تو ضرور ہے ۔

ملکہ ۔ تو کیا رشک کی آگ کو ایک بہادر کے خون سے بجھانا چاہتا ہے ؟

جوزیفائن ۔ (گردن جھکا کر) جی ہاں ۔

ملکہ ۔ تو میں صبح کو اس کے پاس جاؤں گی اور کہوں گی کہ یہ بہادروں کا شیوہ نہیں ہے ۔ لیکن تم یہ بتاؤ کہ یہ خبر تمھیں کیسے معلوم ہوئی ۔ ؟

جوزیفائن ۔ دو عرب مسلمان رومی لباس میں انطاکیہ کے قاصد بن کر

آئے اور وہ شابان سے ملے۔ اس نے ان سے اپنا دلی ارادہ ظاہر کر دیا۔ اور انھوں نے وہ سب راز مجھ کو بتا دیا۔

ملکہ۔ کہیں وہ دونوں قاصد مشتبہ تو نہ تھے کہ تمھارے دل کا بھید لینے آئے ہوں۔

جوزلیفائن۔ نہیں اماں جان ایسا نہیں۔ وہ حسین سوار کا پیام بھی میرے پاس لائے تھے۔

ملکہ۔ اچھا تو تم رات بھر صبر کرو۔ صبح ہوتے ہی میں اس کو خطرناک مجاہدانہ ارادہ سے باز رکھنے کی پوری سعی کروں گی۔

جوزلیفائن۔ مجھے تو یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ صبح ہونے سے پیشتر معصوم خون میں ہاتھ رنگنا چاہتا ہے۔"

ملکہ۔ اچھا تو چلو، میں ابھی چلتی ہوں۔

یہ کہہ کر دونوں شابان کے پاس گئیں۔ اس وقت رات کا ایک تہائی حصہ گذر چکا تھا۔ اور وہ سونے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ کہ اسے ملکہ اور جوزلیفائن کے آنے کی خبر معلوم ہوئی۔ چونک کر اُٹھ بیٹھا۔ اور گھبرایا ہوا خوابگاہ سے نکل کر ملاقات کے خیمہ میں آیا۔ وہاں ملکہ اور جوزلیفائن بیٹھی تھیں۔

شاہان کے آتے ہی ملکہ نے کہا۔

میں اس وقت خاص طور پر ایک استفسار کے لئے آئی ہوں۔ اور مجھے امید ہے کہ تم اس کا جواب صاف دو گے۔

شابان۔ حضرت علیا ارشاد فرمائیں، میں تعمیل کے لئے حاضر ہوں۔

ملکہ۔ حسین سوار کے متعلق اب کیا خیال ہے؟

شابان۔ کوئی تجویز نہیں وہی پہلی تجویز ہے کہ "قیصر کے سامنے پیش کیا جائے۔"

ملکہ۔ مگر انطاکیہ کا محاصرہ ہے اور ہم وہاں نہیں پہونچ سکتے۔

شابان - جس وقت اور جہاں کہیں اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوں گے - اس وقت حسین سوار کو پیش کر دیا جائے گا -

ملکہ - میں نے سنا ہے کہ بعض کا خیال ہے کہ قیصر کے سامنے پیش کرنے سے پہلے ہی حسین سوار کی زندگی کا چراغ گل کر دیا جائے - اگر ایسا ہوا تو نہایت خطرناک قدم ہوگا اور بہت ممکن ہے کہ ایک حسین سوار کے مقابلہ میں عرب ہمارے صدہا افسران کو قتل کر ڈالیں -

شابان - ملکہ صاحبہ میں خداوند مسیح کی قسم کھا کر یقین دلاتا ہوں کہ یہ ارادہ کسی شخص کا نہیں ہے - اور میں حضرت علیا کی رائے سے بالکل متفق ہوں -

ملکہ اور جوزلیفائن یہ اطمینان حاصل کرنے کے بعد رخصت ہو گئیں - اور جونہیں یہ واپس آئیں غدار شابان نے اپنے مشیروں کو بلایا - اور حکم دیا کہ سواروں کا دستہ حسین سوار اور ان کے بھائی کو تین بجے شب کے لے کر روانہ ہو جائے اور کچھ دور لے جا کر ستاروں کی چھاؤں میں انہیں قتل کر دے - یہاں یہ مشہور کر دیا جائے گا کہ دونوں اسیر فرار ہو گئے - اور سواران کے تعاقب میں گئے ہیں چنانچہ اس پر عمل ہوا اور رومی فوج کے بزدل سوار دو بہادر حق کے متوالوں کو ہمراہ لے کر وقت سے پہلے مقتل کی طرف روانہ ہو گئے -

قربان گاہ کی طرف روانگی

رات نہایت تاریک ہے - اور ہر طرف ایک سناٹا چھایا ہوا ہے جنگل میں اگرچہ ستاروں کی روشنی سے زیادہ تاریکی معلوم نہیں ہوتی - لیکن کہیں کہیں اونچے ٹیلوں کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دیوزاد کھڑا گھور رہا ہے اس خوفناک تاریکی میں انطاکیہ کے قریب سواروں کا ایک دستہ چلا جا رہا ہے جس کے سردار نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ :-

"ہم اس مقدس قربانی کو لے تو آئے ہیں - لیکن ہم سے کوئی چھین نہ لے"

ایک سپاہی۔ اسے کون ہمارے قبضہ سے چھین سکتا ہے۔ پانسو تلواریں ایک ساتھ اس کی گردن پر پڑیں گی جو ہمارے شکار کو نظر بھر کر بھی دیکھے گا۔

سردار۔ بہادر سپاہی! یہ تم نے سچ کہا لیکن آج کل النطاکیہ میں اسلامی لشکر موجود ہے۔ اور وہ شب کو ادھر ادھر گشت ضرور کرتا ہوگا۔ بس اگر کہیں ان سے مقابلہ ہوگیا تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔

سپاہی۔ ہم ان کا مقابلہ کریں گے۔ اور اگر ہم مغلوب ہو گئے تو ان کے قبضہ میں جانے سے قبل ہم اس مقدس فدیہ کو بھینٹ چڑھا دیں گے۔

سردار۔ وہ کس طرح ؟

سپاہی۔ جب ہم شکست دیکھیں گے تو اس مجرم کی گردن فوراً مار دیں گے۔

سردار۔ بیشک یہ مناسب ہے۔ لیکن اگر کسی نے ہم پر اچانک شبخون مارا تو شاید ہمیں اس کی بھی مہلت نہ ملے۔

سپاہی۔ اچھا یہ کام میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ میں ہمیشہ اس اسیر جنگ کے پاس رہوں گا۔ اور جب موقعہ دیکھوں گا قتل کر دوں گا۔ لیکن اس کا ذمہ آپ لیں کہ مجھ پر کوئی الزام نہ آنے دیں گے۔

سردار۔ آپ اس سے مطمئن رہیں۔ آپ پر کوئی حرف نہ آئے گا۔ سپاہی یہ مشورہ کرکے اپنے سردار سے جدا ہوا۔ اور حسین سوار کے پاس آیا۔

حسین سوار سے اگرچہ کہا گیا تھا کہ آپ کو انطاکیہ لے جا رہے ہیں لیکن وہ سمجھ چکے تھے کہ انطاکیہ نہیں بلکہ مقتل کی طرف لے جا رہے ہیں۔ لیکن اللہ اللہ صبر و استقامت کا یہ حال تھا کہ کسی قسم کی گھبراہٹ نہ تھی۔ اور جبین پر شکن تک نہ تھی۔ وہ نہایت خوش و خرم چلے جا رہے تھے اور اپنے بھائی ضرار سے اس طرح باتیں کرتے چلے جاتے تھے۔

"ضرار تم سمجھ گئے ہو گے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

ضرار۔ روانگی سے پہلے ہی سمجھ چکا کہ اب وقت قریب آگیا ہے۔

حسین سوار۔ بے شک وقت قریب آگیا ہے۔ مگر موت کا نہیں۔ بلکہ حقیقی زندگی کا وقت۔

ضرار۔ بے شک ایک مسلمان کی حقیقی زندگی یہی ہے کہ وہ اللہ کے راستہ میں قربان ہو جائے۔

حسین سوار۔ لیکن دیکھئے یہ سعادت ہم دونوں میں کس کو سب سے پہلے حاصل ہوتی ہے۔

ضرار۔ خدا کرے کہ میں تم سے پہلے قتل کیا جاؤں۔

حسین سوار۔ بھائی جان ایسی دعا نہ مانگو کیونکہ میرے قوت بازو ہو۔ اور باپ کے مرنے کے بعد سرپرست ہو۔ لہذا مجھے آپ سے پہلے قربان ہونا چاہیئے۔

ضرار۔ میں جانتا ہوں کہ تم شوق شہادت سے لبریز ہو۔ لیکن میں انسان ہوں اور انسانی فطرت رکھتا ہوں۔ لہذا تمہارے جسم کو خاک و خون میں تڑپتے ہوئے یہ آنکھیں کیوں کر دیکھ سکیں گی۔

حسین سوار۔ واقعی میں اس وقت کا تصور کرتی ہوں کہ عنقریب بہن و بھائی ایک دوسرے کے سامنے قتل کر دیئے جائیں گے۔ تو میں کانپ اٹھتی ہوں۔ اور جی چاہتا ہے کہ ہم اپنے قاتلوں سے کہدیں کہ دونوں کو ایک ساتھ قتل کر دو۔ لیکن غیرت اسے بھی گوارا نہیں کرتی۔ مبادا کہ رومی اسے بزدلی پر محمول کریں۔

ضرار۔ لیکن یہ سماں تو بہت ہی تکلیف دہ ہوگا کہ تمہارے سینہ سے خون کا فوارہ میرے سامنے بہے۔ یا میرا سر تمہاری آنکھوں کے سامنے کاٹا جائے۔

حسین سوار۔ جو کچھ بھی ہو اس تکلیف و درد کو ہمت و استقلال کے ساتھ برداشت کرنا چاہیئے۔ اس میں بھی اسلام کی عزت ہے۔ کہ دونوں جوان بہن بھائی ایک دوسرے کے قتل کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اور پھر مطمئن ہیں۔

ضرار۔ واقعی تم "شیر دل خاتون" ہو۔ میدان جنگ میں تو تمہاری شجاعت

کا سکہ رائج ہی تھا لیکن میدان شہادت میں بھی تم نے اپنے استقلال و بہادری کی مُہر ثبت کردی۔

حسین سوار۔ بھائی جان خدا سے دعا کرو کہ وہ اس استقلال پر خاتمہ کرے۔

ضرار۔ یہ سنتے ہی زمین پر گر گئے۔ اور حسین سوار بھی ان کے ساتھ سربسجود ہو گئے۔ اللہ اللہ یہ عجیب وقت تھا کہ دونوں خدا کے سامنے سربسجود تھے اور رو رو کر یہ عرض کر رہے تھے کہ:۔

"خدایا ہمارے سر تیرے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔ جن پر گناہوں کا بار گراں لدا ہوا ہے یہ بار اگرچہ بہت زیادہ ہے۔ لیکن تیری شان مغفرت سے کم ہے۔

اے غفور و رحیم خدا! تو جانتا ہے کہ ہم خالی ہاتھ ہیں۔ عالم غربت میں یہ جان ہمارے پاس باقی ہے۔ بس اسی کے لئے حاضر ہوئے ہیں تو اسے اپنے حبیب پاک صلعم کے صدقہ میں قبول فرما۔

اس کے بعد دوسری عاجزانہ استدعا یہ ہے کہ اپنے نبیوں کی مقدس سرزمین کو تثلیث پرستوں سے آزاد کر دے۔ اور ان فرزندان توحید کو فتح عطا فرما۔ جو تیرے نام کا بول بالا کرنے کے لئے سرکف ہیں۔ اور اس مقدس ملک کو کفر و شائبہ شرک کی نجاست سے پاک کرانا چاہتے ہیں۔"

اس وقت حسین سوار کو جوزلیفائن کا خیال آیا۔ اور اس نے اس کے لئے بھی یہ دعا مانگی۔

"اے دلوں کا بھید جاننے والے خدا! تو جانتا ہے کہ میں نے حتی المقدور کسی کو تکلیف نہیں پہونچائی۔ ہاں جوزلیفائن سے ایک راز چھپایا ہے اور اس سے اسے کسی قدر تکلیف پہونچی ہے لیکن میری نیت پاک

تھی۔ اور اس کی حکمت تجھ پر روشن ہے۔ تاہم اس کی بھی میں معافی چاہتا ہوں۔ اور آخر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ تو جوز یفائن کو صبر اور اپنی توحید کا نور عطا فرما۔“

غیبی تائید

جس خدا نے منیٰ میں حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی قبول فرمائی تھی اسی خدا نے ان دونوں کی دعاؤں کو قبول فرمایا۔ اور وہ اس طرح کہ ابھی انھوں نے سجدہ سے سر بھی نہ اٹھایا تھا کہ تمام فوج میں شور مچ گیا۔ اور ایک تلاطم برپا ہو گیا۔ لوگ آپس میں لڑ رہے تھے اور کچھ بھاگ رہے تھے بعض اپنی جانیں چھپا کر جنگل کے درختوں کی آڑ میں بیٹھ گئے تھے۔ تلواریں اور نیزے چلنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ سر کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ اور بہت سے زخمی آہ و فغاں کر رہے تھے لیکن اب تک کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ ہاں بعض سپاہیوں کی زبان سے یہ نکلا۔

”غنیم نے شب خون مارا ہے۔“

بعض کو یہ شبہ تھا کہ شاید ملکہ اور جوز یفائن پر یہ راز منکشف ہو گیا ہو۔ کہ رومی سواروں کا یہ دستہ حسین سوار کو قتل کرنے لے جا رہا ہے۔ لہٰذا انھوں نے کچھ سپاہیوں کو ہمراہ لے کر حملہ کر دیا۔ غرض جنگ ہو رہی تھی۔ مگر یہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ جنگ کرنے والا کون ہے۔؟

یہ حملہ اس زور سے کیا گیا تھا کہ رومی سپاہیوں کے قدم بہت جلد اکھڑ گئے اور وہ میدان میں زیادہ عرصہ تک نہ ٹھہر سکے۔ یہاں تک کہ جب پو پھٹی تو معلوم ہوا کہ حملہ آور عرب ہیں۔ اور انھوں نے نصف سے زیادہ مسیحی فوج کو کاٹ کر ڈال دیا۔

عربوں کی صورت دیکھتے ہی رومیوں کے رہے سہے اوسان خطا ہو گئے

اور انھوں نے میدان چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ جب یہ مقام رومیوں سے خالی ہو گیا تو وہ رومی حسین سوار کو تلاش کرتے کرتے وہاں پہونچے جہاں حسین سوار اور ضرار دونوں سربسجود تھے۔ اور پھر جنگ کی آواز سنکر اسی جگہ بیٹھے تماشا دیکھ رہے تھے۔

یہ دونوں رومی جب اس طرف بڑھے تو حسین سوار کو شبہ ہوا کہ یہ لوگ قتل کرنے آرہے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنے بھائی ضرار سے کہا کہ اب طیار ہو جایئے۔ دونوں کا وقت آن پہونچا۔ دیکھئے دونوں جلاد وہ آرہے ہیں۔

ضرار نے انھی غور و تحسین کے ساتھ دیکھا اور کہا کہ:۔

"بے شک ان کا ارادہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں چلتے چلتے ہمیں قتل کر دیں"

غرض اس قسم کی گفتگو ہو رہی تھی۔ اور یہ دونوں اپنی بیڑیاں توڑنے کی کافی سعی کر رہے تھے کہ یہ دونوں بالکل قریب پہونچ گئے۔ اور اپنے عربی لہجہ میں کہا کہ:۔

"السلام علیکم و رحمتہ اللہ۔ مرحبا اہلاً و سہلاً"

عربی لہجہ سنتے ہی حسین سوار پہچان گئے کہ یہ دونوں وہی عرب ہیں جو رومی لباس میں گھل مل کر گئے تھے انھوں نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ:۔

"آپ یہاں کب پہونچے اور کیوں کر آئے"۔

رومی عرب۔ اٹھو کہ اب شب غم ختم ہو گئی۔ حضرت ابو عبیدہ آپ دونوں کا انتظار کر رہے ہیں۔

یہ سنکر دونوں جوش مسرت سے تڑپ گئے۔ رومی عربوں نے ان کی بیڑیاں کاٹیں۔ اور یہ اسیران محن آزاد ہو کر ان کے ساتھ چلے تھوڑی دور چلے تھے کہ حضرت ابو عبیدہ کے سامنے پہونچ گئے جہاں وہ اپنے بہادر جانباز سپاہیوں کے ساتھ بیٹھے ان کا انتظار کر رہے تھے۔

حسین سوار کو دیکھتے ہی حضرت ابو عبیدہ کھڑے ہو گئے اور نہایت بیقراری کے عالم میں کہا کہ:۔

"اسلامی فوج کے بہادر فرزند مجھے معاف کرنا کہ میں تم کو رہا کرانے کیلئے

بہت بعد میں پہونچا۔ لیکن اس میں میرا دانستہ قصور نہیں۔"

حسین سوار۔ معزز سپہ سالار اس میں عذر خواہی کی کیا بات ہے یہ بھی مقدر الٰہی تھا۔ آخر سونا بھٹی میں تپانے کے بعد ہی کندن بنتا ہے۔ پس اگر خدا نے ہمیں بھی آزمائش و امتحان کی منزل سے گذارا ہے تو اس کا ہزار ہزار شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اس نے ہمیں اس کے لئے منتخب کیا۔

ابو عبیدہ۔ حسین سوار تمہارے اسلام کا یہی تقاضا ہے۔ کہ تم یہی الفاظ کہو۔ لیکن ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم اپنی غفلت پر افسوس کریں۔

حسین سوار۔ محترم سردار۔ آپ افسوس کا لفظ اپنی زبان پر نہ لائیے۔

ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ تمام سپاہیوں نے حسین سوار اور ضرار کو پہچان کر اہلاً وسہلاً کا نعرہ بلند کیا اور ہر چہار طرف سے مبارک باد کا غلغلہ بلند ہو گیا۔

مایوسی اور نامرادی

خوفناک رات کی تاریکی رفتہ رفتہ رخصت ہو رہی تھی۔ مگر آفتاب ابھی طلوع نہ ہوا تھا کہ شابان اپنی خوابگاہ سے نکل کر نشست گاہ میں آیا۔ یہاں دو سردار اس کے منتظر تھے۔ شابان کو دیکھتے ہی ایک سردار نے کہا کہ:۔

"صیاد شکار کو لے کر روانہ ہو گئے۔"

شابان۔ جی ہاں عرصہ ہوا کہ روانہ ہو گئے اور امید ہے کہ یہ سردار کیفر کردار کو پہونچ گیا ہوگا۔

دوسرا سردار۔ اور اسے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس کا "محمدی خدا" بھی اس کو مسیحیوں کے چنگل سے نہ بچا سکا۔

پہلا سردار۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ جو خدا و ند مسیح کے پیرووں کے خلاف تلوار اٹھاتا ہے۔ اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اس کی لاش کو کوئی دفن کرنے والا بھی نہیں ملتا۔

شابان سے فن کرنا کیسا میں نے تو افسر رسالہ کو ہدایت کردی تھی کہ "حسین سوار" کو قتل کرنے کے بعد اس کی لاش پر کتے چھوڑ دیئے جائیں۔ تاکہ دنیا کو عبرت ہو اور ہمارے سپاہیوں کی ہمت بڑھے۔

ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ دربان نے ملکۂ روم اور شہزادی جوزیفائن کے آنے کی اطلاع دی۔ ابھی شابان اجازت بھی نہ دینے پایا تھا کہ ملکہ اور شہزادی دونوں اس کے سر پر پہونچ گئیں۔ جوزیفائن کے غیظ و غضب اور جوش انتقام کی تصویر تو کوئی قلم نہیں کھینچ سکتا۔ مگر اس وقت ملکۂ روم کی حالت بھی غیر تھی۔ چہرہ غصہ سے تمتما رہا تھا۔ اور جسم کانپ رہا تھا۔ آنکھوں سے شعلے برس رہے تھے اور ایک زہریلی ناگن کی طرح پھنکاریں مار رہی تھی۔ شابان اور اس کے دونوں سردار یہ دیکھ کر سہم گئے۔ مگر فوراً ہی سنبھل بیٹھے کہ آخر کار مقابلہ کرنا ہے۔ ملکہ نے آتے ہی کہا کہ:۔

شابان! حسین سوار اور اس کے بھائی ضرار کہاں ہیں؟"

شابان۔ ملکہ صاحبہ یہیں فوج میں ہوں گے۔

ملکہ۔ میں نے سنا ہے کہ وہ فوج میں نہیں ہیں۔

شابان۔ اگر ایسا ہے تو وہ موت کے ڈر اور قید کی سختی سے فرار ہو گئے ہوں گے۔

ملکہ۔ (غصہ سے کانپ کر) بزدل شابان فرار تجھ جیسے نامرد ہوا کرتے ہیں وہ بہادر ہے اور بہادر فرار نہیں ہوا کرتے۔

شابان۔ (تیور بدل کر) ملکہ صاحبہ آپ حد سے بڑھ رہی ہیں۔ ایک رومی سپہ سالار بزدلی کا الزام ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔

ملکہ۔ اگر بزدل نہ تھے تو راہ فرار کیوں اختیار کی اور انطاکیہ کا راستہ چھوڑ کر یہاں کیوں پناہ گزیں ہو۔؟

شابان۔ ملکہ صاحبہ! اگر آپ یہ الفاظ ہمیں جوش دلانے کی نیت سے فرما رہی ہیں تو ضیر اور نہ اگر ہماری تحقیر و تذلیل کے لئے ہیں تو میں عرض کرتا ہوں کہ میں

یا میری فوج کا کوئی سپاہی ایک لمحہ کے لئے بھی اسے برداشت نہیں کر سکتا۔
ملکہ ۔۔ فوج تمھاری نہیں بلکہ میری ہے ۔ اور جب وقت آئے گا تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ فوج کس کی ہے ۔ ؟

اس پر ان دو سرداروں کو بہت غصہ آیا جو شابان سے باتیں کر رہے تھے ۔ مگر بزدل تھے اور اتنی جرأت نہ تھی کہ ملکہ کے مقابلہ میں اپنے جذبات ظاہر کرتے ۔ لہذا شابان کے اشارے کرنے پر بھی خاموش رہے ۔ مگر شابان کو اس قدر شدید دھمکی دی گئی تھی کہ اسے مر جانا چاہیئے تھا ۔ لیکن منافق شخص اس قسم کی ذلت و تحقیر کی کچھ پرواہ نہیں کیا کرتا ۔ لہذا اس نے اپنا رویہ فوراً بدل لیا اور ملکۂ روم کی خوشامد کرنے لگا ۔ اس کے پاس اس کا کچھ جواب نہ تھا کہ حسین سوار کہاں ہے ۔ ؟

اگر حسین سوار کی روانگی سے قبل اسے ملکہ روم کے اس قصہ کا علم ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ اپنے ارادہ سے باز آجاتا ۔ مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا اور وہ اسے واپس نہیں لا سکتا تھا ۔

تاہم شابان نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح وہ ملکہ روم کے غصہ کو ٹھنڈا کر سکے ۔ مگر جوں جوں وقت گذر رہا تھا اس کا غصہ بڑھ رہا تھا کیونکہ اسے اور جوزلیفائن کو یہ یقین ہوتا جاتا تھا کہ "حسین سوار" ان بزدلوں کی سازش کا شکار ہو گئے اور اب ان کا زندہ رہنا محال ہے ۔

اسی خیال نے ملکۂ روم اور شہزادی جوزلیفائن کو پاگل بنا دیا تھا ۔ اور وہ اس قدر بے خود ہو رہی تھیں کہ امید کی کوئی شعاع اور تسکین و تسلی کا کوئی سہارا باقی نہ تھا ۔

امید کی شعاع

جوزلیفائن کا قلب اس وقت لا متناہی پریشانیوں اور غیر محدود بے چینیوں کی آماجگاہ تھا ۔ وہ اپنی امیدوں کا آفتاب ڈوبتا ہوا دیکھ رہی تھی اور یہ سوچ رہی تھی ۔ کہ حسین سوار کے بغیر وہ کیوں زندہ ہے ۔ اگرچہ وہ غم و آلام کی عادی ہو چکی تھی ۔ اور اس

لئے وہ ان پریشانیوں کو بھی برداشت کرنے کی سعی کر رہی تھی۔ لیکن اس کا دل بیٹھا جاتا تھا۔ اور اس کو اپنا مستقبل خوفناک و تاریک نظر آتا تھا یہاں تک کہ اس کی آرزوؤں کی دنیا سیاہ ہو چکی تھی۔ اور اب اس نے حسین سوار کی زیارت کے ساتھ اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھو لئے تھے۔

ملکہ کو ایک طرف فرشتہ خصلت حسین سوار کی یاد بے چین کر رہی تھی اور دوسری طرف وہ اپنی نورِ نظر اکلوتی بیٹی کے انجام کی طرف سے متفکر و متردد تھی۔ اگرچہ اس کے فکر کو جوزلیفائن کے غم و الم سے کوئی نسبت نہ تھی۔ مگر پھر بھی وہ بے حد بے چین و متفکر تھی کیونکہ وہ گذشتہ حالات کی بنا پر یہ یقین رکھتی تھی کہ اگر حسین سوار کی زندگی کا لنگر ٹوٹ گیا تو جوزلیفائن بھی سلامت نہیں رہ سکتی۔ اس خیال نے ملکہ کی آنکھوں میں بھی تمام جہاں کو تاریک بنا دیا تھا لیکن مبارک ہے وہ ذات جو سوکھی زمین پر پانی برساتی اور مایوسیوں کے بادلوں میں امید کا آفتاب روشن کرتی ہے۔ یہ دونوں ابھی شاباان کی نشست گاہ سے رخصت نہ ہوئی تھیں کہ چند پریشان حال رومی یہاں پہونچے ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور اوسان خطا تھے جب وہ شاباان اور ملکہ کے سامنے آئے تو ان سے بولا تک نہ جاتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد حواس درست ہوئے تو ایک سپاہی نے زمین پر پیشانی ٹیک کر کہا کہ:۔

"خداوند ہمیں معاف کیجئے کہ ہم غارت ہو گئے اور آپ کے ارشاد کی تعمیل نہ کر سکے"

ابھی اس نے سر نہ اٹھایا تھا کہ دوسرا زمین پر گر گیا اور گڑگڑا کر کہنے لگا کہ:۔

"ہم لٹ گئے اور ہماری متاع امید کو چھین لیا گیا"

تیسرے نے ہاتھ جوڑ کر اور روتی صورت بنا کر کہا کہ:۔

"ولی نعمت! ہم نے پوری کوشش کی کہ آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے لیکن ہماری دولت عرب کے ڈاکو چھین کر لے گئے"

ملکہ و جوزلیفائن یہ جملے اپنے کانوں سے سن رہی تھیں اور حیرت سے دیکھ رہی تھیں کہ یہ خستہ حال جن کی وضع سپاہیوں کی سی ہے کون ہیں؟ آخر کار ملکہ سے ضبط نہ

ہوسکا اور اس نے کہا کہ:۔

"تم کون ہو۔؟ کہاں سے آئے ہو؟ اپنا سر اٹھاؤ اور حقیقت حال بیان کرو۔"

پہلا سپاہی۔ ملکہ صاحبہ ہم آپ کے سپاہی ہیں۔ چند گھنٹے ہوئے کہ مسرت و شادمانی کی دنیا دل میں لئے ہوئے گئے تھے۔ اور اب آلام وہجوم کا پہاڑ سر پر اٹھائے واپس آئے ہیں۔

دوسرا سپاہی۔ حضرت علیا آپ کی فوج کے تمام سپاہی اور ہمارے ساتھی سب قتل کردیئے گئے۔ ہم کسی طرح اپنی جان سلامت لے کر آئے لیکن اچھا ہوتا کہ عربوں کی تلواریں ہمیں کاٹ کر پھینک دیتیں۔ اور ہم اپنا کالا منہ آپ کو نہ دکھاتے۔

تیسرا سپاہی۔ حضور والا سب سے زیادہ غم اس کا ہے کہ ہم اپنے معزز سردار (شاہان کی طرف اشارہ کرکے) کے حکم کی تعمیل نہ کرسکے اور جہاں عربوں نے ہمارے ساتھیوں کو قتل کیا وہاں ہمارے شکار کو بھی چھین لیا۔

یہ جملہ سنکر شاہان کا رنگ زرد پڑ گیا۔ اور اس نے چاہا کہ کسی طرح ان سپاہیوں کی زبان بند کردے لیکن فوراً ہی خیال آیا کہ اگر اس وقت ذرا بھی بدخلقی کی تو ملکہ وجوزلیفائن کی بدگمانیوں میں اور اضافہ ہوگا۔ اور وقت سے پہلے قیامت برپا ہوجائے گی۔

سپاہیوں کے یہ بیانات جہاں شاہان اور اس کے ساتھیوں پر بجلیاں بن کر گر رہے تھے۔ وہاں جوزلیفائن و ملکہ کے دلوں میں امید کا چراغ روشن کررہے تھے۔ یہاں تک کہ تیسرے سپاہی کا بیان سنکر جوزلیفائن ضبط نہ کرسکی اور اس نے نہایت بیقراری سے کہا:۔

"وہ شکار کیا تھا اور تمہارے سردار نے تمہیں کیا حکم دیا تھا؟"

تیسرا سپاہی۔ شاہزادی صاحبہ وہ شکار وہ تھا جس نے ہزارہا رومی عورتوں کو بیوہ بنادیا۔ اور ہماری متعدد فوجوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ خداوند تعالےٰ کی رحمت سے ہم نے اسے گرفتار کیا اور ہمارے سردار نے حکم دیا کہ اسے ہم یہاں

سے لے جائیں اور صبح ہونے سے پہلے قتل کر دیں۔
جوزیفائن۔ اسے قتل کرنے اور یہاں سے لیجانے کا حکم کیوں دیا تھا؟
تیسرا سپاہی۔ شہزادی صاحبہ یہ ہمیں معلوم نہیں۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ دشمن تھا۔ اور دشمن کا قتل کرنا ہی واجب ہے۔
ملکہ۔ شاہزادی یہ سوال سادہ لوح سپاہیوں سے نہ کرو۔ میں اچھی طرح سمجھ گئی کہ اس میں کیا راز ہے۔ یہ فقرہ سنکر شابان اور سہم گیا۔ اس کے بعد ملکہ نے کہا کہ اچھا بیان کرو پھر کیا ہوا۔
تیسرا سپاہی۔ ہم اپنے اس شکار کو بیچ میں لئے جا رہے تھے اور اس شکار کو قتل کرنا ہی چاہتے تھے کہ یک بیک کسی غنیم نے شبخون مارا پہلے تو ہم نہ سمجھے کہ یہ کون ہیں لیکن جب ہماری فوج تباہ ہو گئی اور ادھر کچھ روشنی نمودار ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ وہی عرب ہیں جو ہمیں یرموک حمص وغیرہ میں تباہ کر چکے ہیں۔
جوزیفائن۔ یہ سب کچھ پھر بیان کرنا پہلے یہ بتاؤ کہ تمہارا شکار کیا ہوا؟
تیسرا اسوار۔ ہاں تو جب سپیدیٔ صبح نمودار ہوئی تو عربوں نے ہمارے شکار کو پہچان لیا اور وہ اللّٰہ اکبر کا نعرہ لگا کر اس کے پاس پہونچ گئے۔ ہماری کیا مجال تھی کہ وہاں ٹھہرتے۔ ہم سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگے۔ اور وہ اہلاً و سہلاً و مرحبا کے نعرے بلند کرتے ہوئے اس کو چھین لے گئے۔
یہ سنتے ہی جوزیفائن و ملکہ کے چہروں سے مسرت و شادمانی چمک اٹھی۔ لیکن شابان اور اس کے رفقا پر موت کی زردی چھا گئی اور وہ دل تھام کر بیٹھ گئے۔ اللّٰہ اللّٰہ عجیب وقت تھا کہ ایک ہی خبر تھی لیکن کسی کے لئے مژدۂ جانفزا اور کسی کے لئے پیام موت تھی۔

چاہ کن را چاہ در پیش

رومی سپہ سالار شابان کی مایوسی و نامرادی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اسے

حسین سوار کے چھوٹ جانے کا ہی غم نہ تھا بلکہ سب سے زیادہ حزن وملال اس امر کا تھا کہ اس کی سازش کا پردہ فاش ہوگیا اور وہ ملکۂ روم کی آنکھوں میں ذلیل وخوار ہوا۔

تیسرا غم یہ تھا کہ ملکہ نے اسے جس ذلت آمیز طریق پر ڈانٹا تھا اس کا چرچا تمام سپاہیوں میں تھا وہ سب کی نظروں سے گر گیا تھا۔ کیونکہ بہت سے سپاہی اس کے رویہ کو دل سے ناپسند کرتے تھے جو اس نے حسین سوار جیسے بہادر کو قتل کرانے کے لئے اختیار کیا تھا۔

رومی سپاہی اگرچہ بالعموم اسلامی اخلاق ومساوات سے محروم تھے لیکن اس عام فوجی وصف سے خالی نہ تھے کہ بہادر ونامور غنیم کو اسیری کی حالت میں سازش کرکے قتل کرانا انتہائی بزدلی ہے کیونکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے قاتل اسیری کی حالت میں بھی علی الاعلان اس کے قتل کرنے کی جرات نہیں رکھتے۔ لہذا دھوکہ دیکر فریب وسازش کے پردہ میں اپنی آرزو پوری کرنی چاہتے ہیں۔

ان خیالات کی آندھیوں نے شابان کے اقتدار کا چراغ گل کردیا اور وہ اپنے چند ہم خیالوں یا شرکاءِ سازش کے سوا سب میں حقیر ہوگیا۔ قاعدہ ہے کہ جب کسی سردار کی ہوا بگڑتی ہے تو مخالف قوتیں برسرپیکار آتی ہیں۔ لہذا اس لحاظ سے شابان بھی مستثنیٰ نہ رہا۔ اور اس کے مخالفین اس سے انتقام لینے کی تیاریاں کرنے لگے۔

اسی روز شب کو شابان اپنی خواب گاہ میں سو رہا تھا۔ رات کا پچھلا پہر تھا اور پہرہ والے بھی تھک کر اونگ رہے تھے کہ ایک سپاہی آنکھ بچا کر اس کی خواب گاہ میں داخل ہوگیا۔ اس نے پہلے شابان کے ہتھیاروں کو قبضہ میں کیا۔ اور پھر خنجر نکال کر اس کے سینہ پر چڑھ بیٹھا۔ شابان کی آنکھ کھلی تو گھبرا کر کہا کہ:۔

"تو کون ہے"؟

سپاہی ۔ پہلے تیری فوج کا سپاہی اور اب تیری موت کا پیام ۔

شاپان ۔ کیا تو نہیں جانتا کہ میں رومی فوج کا سپہ سالار ہوں اور قیصر نے ایک لاکھ فوج میرے قبضہ میں دی ہے ۔

سپاہی ۔ جی ہاں جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ فوج آپ کے قبضہ میں دی تھی لیکن فوجیوں کی بہو بیٹیوں کو آپ کے قبضہ میں نہیں دیا تھا ۔

شاپان ۔ یہ کیا کہا ۔ ؟

سپاہی ۔ دانت کھینچکر اور خنجر دکھا کر ، عصمت کے ڈاکو ! کیا تو اس قدر جلد مجھے بھول گیا ؟ کیا تو نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں اپنی نوجوان لڑکی کو تیری خوابگاہ میں پہنچا دوں تو تو مجھ کو سپاہی سے حوالدار بنا دے گا ۔

شاپان ۔ مجھے یاد نہیں آتا کہ تو کیا بک رہا ہے ۔

سپاہی ۔ اگر یہ یاد نہیں آتا تو کیا یہ بھی یاد نہیں کہ تو نے میرے حریف نابان کو حوالدار بنا دیا محض اس لئے کہ اس نے اپنی نور نظر کو تیرے حوالے کر دیا تھا

شاپان ۔ ہاں مجھے یاد آیا ، لیکن اس میں کیا حرج ہے ۔ ؟

سپاہی ۔ اپنے ماتحت سپاہیوں کی نا کتخدا لڑکیوں کے آبگینۂ عصمت کو چور چور کرنا اور پھر یہ کہنا کہ اس میں کیا حرج ہے ۔ یہ تجھ جیسے بے حیا کا ہی کام ہو سکتا ہے ۔

شاپان ۔ اگر مقدس کلیساؤں میں جا کر پادریوں اور مذہبی پیشواؤں کے سامنے اپنے خفیہ گناہوں کا بیان کرنا اور ان کے ارشاد کی تعمیل ہماری لڑکیوں اور عورتوں کے لئے موجب نجات ہے ۔ تو فوجی سرداروں کے حکم کی تعمیل کرنے میں کیا مضائقہ ہے بالخصوص جبکہ وہ ملک وملت کی نجات کے لئے اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر میدان میں آئے ہوں ۔

سپاہی ۔ وہ تو ہمارے مذہبی پیشوا ہیں ۔

شاپان ۔ ہم تمھارے فوجی پیشوا ہیں ۔

سپاہی ۔ فوجی پیشوا اور مذہبی پیشوا میں بہت فرق ہے ۔
شابان ۔ اس بارہ میں کوئی فرق نہیں کہ جس طرح عوام کے لئے مذہبی پیشواؤں
کا حکم ماننا ضروری ہے ۔ اسی طرح جنگی سرداروں کی اطاعت لازمی ہے ۔
سپاہی ۔ جنگی نقل و حرکت اور فوجی معاملات میں بیشک تعمیل حکم ضروری ہے لیکن
وہ ہماری آبرو و ناموس کے مالک تو نہیں ہو سکتے ۔
شابان ۔ اسی طرح میں کہہ سکتا ہوں کہ شرعی احکام اور مذہبی معاملات میں دینی
رہنماؤں کے ارشاد مقدس کی تعمیل ضروری ہے ۔ لیکن وہ عوام کی آبرو و ناموس کے
مالک تو نہیں ہو سکتے ۔ اور اگر ان کے لئے یہ جائز سمجھا جاتا ہے کہ وہ خلوت میں عوام کی
لڑکیوں اور عورتوں کو طلب کر سکتے ہیں تو فوجی پیشواؤں کے لئے بھی یہ جائز ہونا چاہیئے ۔
سپاہی یہ سنکر خاموش ہو گیا ۔ اور دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ دلیل بالکل معقول
ہے ۔ لیکن قدیم روایات اور مذہبی عقائد کی بنا پر مذہبی پیشواؤں کے لئے ہم اس قسم کی
پیش کش کے عادی ہو چکے ہیں ۔ مگر فوجی پیشواؤں کے لئے میری حمیت و غیرت یہ تقاضا
نہیں کر سکتی ۔
سپاہی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ شابان نے کہا ۔
"اب سمجھے کہ میرا مطالبہ جائز تھا" ؟
سپاہی ۔ اس کا جواب تو میں بعد کو دوں گا ۔ لیکن یہ تو بتائیے اپنے آقا قیصر
کی لڑکی اور روم کی شہزادی پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے "حسین سوار" کو قتل کرانے کی
سازش کرانا یہ کس طرح جائز تھا ۔
شابان یہ سنکر حیرت زدہ ہو گیا اور یہ سمجھ گیا کہ میری سازش کا راز اس پر کھل گیا ہے
لہذا اس نے پہرہ داروں کو آواز دی کہ ان کی مدد سے نجات حاصل کرے ۔ اور اسی
کے ساتھ سپاہی کی گرفت سے نکلنے کے لئے بھی حرکت کی ۔ لیکن اس سے قبل کہ کوئی
پہرہ دار پہونچے ۔ سپاہی کا خنجر شابان کے سینہ کے پار تھا ۔
وہ ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپا اور مرغ بسمل کی مانند تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا ۔

حسرتوں نے سر پیٹا۔ اور تمناؤں نے ماتم کیا۔ اور عبرت نے لاشہ پر آکر کہا کہ :۔

"چاہ کن را چاہ در پیش۔"

مسلمانوں پر شبخون

انطاکیہ سے اگرچہ قیصر رخصت ہو گیا تھا۔ مگر اپنی جگہ ایک ایسے شخص کو چھوڑ گیا تھا جو شجاعت و بہادری کی دنیا کا آفتاب اور تدبیر و سیاست کے آسمان کا روشن ستارہ تھا یہ خود ہی فوج کا سپہ سالار تھا اور انطاکیہ کا والی بھی اس کا نام نہروان تھا۔ اور والیٔ انطاکیہ کے نام سے مشہور تھا۔ اس نے عربوں کا حملہ ہوتے ہی رومی فوج کو خاص طور پر منظم کیا۔ اور اہل شہر کو اپنی خوش تدبیری و لیاقت سے بالکل مطمئن کر دیا۔ انطاکیہ اگرچہ محصور تھا۔ اور اسلامی فوجیں کالی گھٹاؤں کی مانند اس پر چھائی ہوئی تھیں لیکن اس نے ہر قسم کا سامان اس قدر وافر جمع کر لیا تھا۔ کہ شہری و رومی سپاہی یکسر مطمئن تھے۔ اور ان میں کسی قسم کی گھبراہٹ اور بے چینی نہ تھی۔

نہروان کا سب سے زیادہ کمال یہ تھا کہ اس نے چند ایسے قابل و ہوشیار جاسوس بھی مقرر کر رکھے تھے جو اسلامی فوج کی ایک ایک لمحہ کی خبریں پہونچاتے رہتے تھے۔ یہ نہروان کی قابلیت ہی تھی۔ کہ قیصر کو رخصت ہوئے ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ لیکن اس کے چند رازداروں کے سوا فوج و شہر میں کسی کو خبر نہ ہوئی۔ ہاں شاہان کے پاس جو نہروان کا بھائی اور رومی فوج کا مشہور سپہ سالار تھا۔ یہ خبر بھیجی اور اس طرح ملکہ و جوزیفائن تک بھی یہ راز پہونچ گیا تھا۔ ورنہ انطاکیہ کی آبادی اس سے بالکل بے خبر تھی۔

نہروان کو حسین سوار کے گم ہونے اور اس کی وجہ سے اسلامی فوج میں تردد و بے چینی پیدا ہونے کی اطلاع بھی مل گئی تھی۔ وہ ایک روز بعد عشاء اپنے کمرہ میں بیٹھا تھا۔ کہ ایک جاسوس حاضر ہوا۔ اور اس نے عرض کی کہ :۔

"ایک نہایت اہم خبر معلوم ہوئی ہے۔"

نہروان :۔ وہ کیا خبر ہے۔؟

جاسوس ۔ معلوم ہوا کہ اسلامی فوج کے امیر حضرت ابو عبیدہ کہیں گئے ہیں۔ اور اب مسلمان بغیر امیر کے ہیں۔

نہروان ۔ کیا یہ خبر بالکل صحیح ہے ۔؟

جاسوس ۔ حضور والا اچھی طرح تحقیق کر آیا ہوں اس میں کوئی شک نہیں۔

نہروان ۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کہاں گئے ہیں ۔؟

جاسوس ۔ صرف اتنا سنا ہے کہ "حسین سوار" کی تلاش میں گئے ہیں۔

نہروان ۔ ممکن ہے کہ کسی اور شہر پر حملہ کا ارادہ ہو ۔؟

جاسوس ۔ یہ ممکن ہے مگر ہمیں جہاں تک معلوم ہوا وہ یہی ہے کہ حسین سوار کو تلاش کرنے گئے ہیں۔

نہروان ۔ اس کو تلاش کرنے کے لئے کسی افسر یا فوج کے سپاہیوں کو بھیج دیتے ۔ میدان جنگ چھوڑ کر خود ایک سپاہی کی تلاش میں نکلنے کی کیا ضرورت تھی ۔؟

جاسوس ۔ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں امیر و سپاہی سب برابر ہیں۔ یہاں تک کہ ان کا امیر یہ سمجھتا ہے کہ تمام سپاہی خدائی گلہ کی بھیڑ بکریاں ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی گم ہو گئی تو اس کی سب سے زیادہ ذمہ داری مجھ پر ہے۔

نہروان ۔ ذرا سوچ کر، حضرت ابو عبیدہ خواہ کسی غرض سے گئے ہوں لیکن آج ہمیں شبخون مارنا چاہیئے۔ اور رات ہی کی تاریکی میں اس زور سے حملہ کرنا چاہیئے کہ عربوں کے چھکے چھوٹ جائیں اور وہ کسی طرح نہ سنبھل سکیں۔

جاسوس ۔ خوش ہو کر، میں نے بھی یہ خبر اسی لئے جلد سے جلد گوش گذار کی اور صبح کا انتظار نہیں کیا۔

نہروان نے فوراً چند افسروں کو طلب کیا اور ان سے مشورہ کرنے کے بعد حکم دیدیا کہ تمام فوج ایک فیصلہ کن شب خون مارنے کے لئے تیار ہو جائے۔ اس نے اپنی فوج کو چار حصوں میں منقسم کیا اور انھیں کو شہر پناہ کی شرقی، غربی، اور شمالی و

جنوبی چاروں دروازوں سے بھیجا۔ اور یہ ہدایت کردی کہ حملہ کرتے ہوئے مشرقی دروازہ کی فوج جنوبی سے مل جائے۔ اور اس قدر زبردست حملہ ہو کہ عرب نہ سنبھل سکیں۔

مسلمان سپاہی اپنے خیموں میں سو رہے تھے۔ اور ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ کہ محصور دشمن قلعہ سے نکل کر حملہ کردے گا۔ لیکن تقدیر الٰہی کو یہی منظور تھا۔ کہ رومی فوج کا ٹڈی دَل لشکر اسلامی فوج پر ٹوٹ پڑا اور سوتے کی حالت میں ہی قتل عام شروع کردیا۔ مسلمانوں کی بجائے کوئی اور قوم ہوتی تو شاید وہ بھاگ جاتی۔ لیکن مسلمان فوراً ہی سنبھل گئے۔ اور انھوں نے بھی تلواریں ہاتھ میں لے لیں۔ اب ایک خونریز جنگ ہو رہی تھی۔ اور سر کٹ کٹ کر زمین پر گر رہے تھے۔ ربسا اوقات انسانی اعضاء کے کٹنے اور زمین پر گرنے کی آوازیں کانوں میں آئیں۔ مگر یہ پتہ نہ چلتا تھا کہ کس نے حملہ کیا اور کون مرگیا۔

رومی ٹڈی دَل کے مقابلہ میں عربوں کی تعداد بہت کم تھی۔ پھر رومی مسلمانوں کی چھاؤنی میں گھس آئے تھے۔ لیکن مسلمانوں نے بھی اس بہادری سے مقابلہ کیا کہ وہ زمین میں میخوں کی طرح پاؤں گاڑ کر کھڑے ہوگئے۔ اور انھوں نے فیصلہ کرلیا کہ مرجائیں گے مگر قدم پیچھے نہ ہٹائیں گے۔

خونی صبح

اس شبخون میں اس قدر خون بہا کہ رات کی سیاہی سرخی سے بدلنے لگی اور افق مشرق نے شہابی جوڑا پہن لیا۔ ادھر خون سے خدا کی زمین سرخ تھی۔ اور ادھر آسمان کا مشرقی افق سرخ ہوگیا تھا یہاں تک کہ مجلّہ شفق سے آفتاب بھی سرخ جوڑا پہن کر نمودار ہوا۔ اور جب اس نے اپنی بے شمار شعاؤں کے نیزے تانے تو زمین پر کشتوں کے اس قدر ڈھیر لگ گئے تھے کہ یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ شاہ خاور کے شعاعی نیزے زیادہ ہیں یا مقتولوں کے زخم خوردہ سینے۔

رفتہ رفتہ آفتاب کا سرخ چہرہ زرد ہونا شروع ہوا یعنی جب وہ ذرا بلند ہوا تو

معلوم ہوا کہ مقتولین میں رومی سپاہیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اندھیرے میں رومی تلواروں سے خود رومیوں کو قتل کر دیا اور رومی برچھیوں نے اپنے ہی سپاہیوں کے سینے چھید ڈالے۔

اگرچہ آفتاب بلند ہو گیا تھا اور دھوپ پھیل گئی تھی۔ لیکن جنگ اب تک جاری تھی بلکہ پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ شروع ہو گئی تھی۔ نہروان نے اس زور سے حملہ کیا کہ مسلمانوں کے پاؤں میں لغزش پیدا ہو گئی۔ اسی کے ساتھ پشت سے رومی فوج کے دوسرے حصہ نے حملہ کر دیا۔ اور مسلمان دو حملوں کے بیچ میں تھے۔ پھر نہروان نے فوج کا ایک حصہ قلعہ میں محفوظ رکھا تھا اشارہ کر کے اسے بھی حملہ میں شریک کر لیا۔ اس طرح مسلمانوں کے قلب پر تین طرف سے حملہ ہو رہا تھا۔ انھوں نے کچھ دیر تک نہایت جوانمردی سے مقابلہ کیا۔ مگر آخر میں پاؤں اکھڑ گئے۔ اس لئے کہ فوج کے اچھے لڑنے والے حضرت ابو عبیدہ سپہ سالار فوج کی قیادت میں "حسین سوار" کی تلاش میں چلے گئے تھے۔ اور مسلمان اس ناگہانی قیامت سے قطعاً بے خبر تھے۔

غرض عرب کی شجاعت خاک میں مل رہی تھی۔ ہاشمی بسالت کا خون ہو رہا تھا۔ اور اسلامی فتح شکست سے بدل رہی تھی۔ کہ حضرت ابو عبیدہ حسین سوار کو لئے چھاؤنی میں پہونچے اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ رومی چھاؤنی پر پورے زور و طاقت کے ساتھ حملہ کر رہے ہیں۔ اور مسلمان پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ حضرت ابو عبیدہ نے للکار کر مسلمان سپاہیوں کو روکا اور کہا کہ:-

"اے عرب کے پہلوانوں! ٹھہرو کہ تمھارا سردار آ گیا اور خوش ہو جاؤ کہ حسین سوار زندہ اور سلامت ہیں۔ اور تمھارے دوش بدوش لڑنے کے لئے یہاں پہونچ گئے ہیں"

حسین سوار کے نام اور اس مژدہ جانفزا میں خدا جانے کیا کشش تھی۔ کہ تمام سپاہی ٹھہر گئے۔ اور آنکھیں اٹھا کر دیکھا تو حضرت ابو عبیدہ کے بائیں پہلو میں حسین سوار کھڑے تھے۔ انھیں دیکھ کر سب نے اللہ اکبر کا فلک شگاف نعرہ بلند

گیا۔ اور حسین سوار نے بھی سر جھکا کر سب کی منت پذیری کا اعتراف کیا۔

عام سپاہی خدا جانے حسین سوار سے کیا کیا امیدیں رکھتے تھے کہ حسین سوار نے فضا میں اپنی تلوار کو حرکت دی اور کہا کہ:۔

"اسلام کی عزت بچانا سب سے مقدم ہے۔ اس وقت عربی شجاعت نر غہ میں ہے۔ تم میرے ساتھ آؤ، اور رومیوں کو پیچھے دھکیل کر ثابت کردو کہ ہم عرب ہیں اور رسول کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اُمت ہیں۔"

اس پر درود شریف کا غلغلہ بلند ہوا۔ اور سب نے محسوس کیا کہ اس کی مردہ رگیں زندہ ہوگئیں۔ اور آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام سنکر اس میں ایک خاص روح پیدا ہوگئی۔ چنانچہ یہ سنتے ہی سب "حسین سوار" کے پیچھے ہوئے۔ اور ان سب نے رومیوں پر اس زور سے حملہ کیا کہ انھیں مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا۔ جو مسلمان متزلزل ہوگئے تھے۔ اس غیبی امداد کو دیکھ کر وہ بھی سنبھل گئے۔ اور قدم جما کر پھر اس طرح لڑے کہ رومی طوفان جس سُرعت سے اٹھا تھا۔ اسی سرعت سے واپس گیا۔

حسین سوار اپنے قدیم طریقہ جنگ کے مطابق رومی سواروں میں گھس گیا۔ اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ اگرچہ رومی اب پہاڑ کی طرح جم کر کھڑے ہوگئے تھے لیکن حسین سوار کے حملہ کی تاب نہ لاسکے اور انھیں پشت دکھانی پڑی۔

تقریباً ایک گھنٹہ تک معرکہ کارزار گرم رہا۔ اور اسی اثناء میں جنگ کا نقشہ پھر بدل گیا۔ جو لوگ بھاگ رہے تھے وہ حملہ آور بن گئے۔ اور جو حملہ آور تھے وہ بھاگ کر قلعہ کے اندر چلے گئے۔

نہردان نے اپنی فوج کو سنبھالنے کی بے حد کوشش کی۔ لیکن اس کی کوشش مطلق کارگر نہ ہوئی۔ اس نے ایک زبردست تقریر بھی کی۔ اور صلیب بردار بطریقوں کے ایک حصہ کو آگے بڑھایا۔ لیکن کچھ نفع نہ ہوا۔ اور آخر کار اپنی قسمت کو روتا ہوا رومی فوج کے ساتھ وہ بھی قلعہ میں واپس چلا گیا۔ ابھی آفتاب نصف النہار پر نہ پہونچا تھا کہ مسلمانوں کی مکمل فتح کا آفتاب نصف النہار پر پہونچ گیا۔ اور رومی فوج سے میدان

یکسر صاف ہوگیا کہ اس وقت موقع تھا کہ مسلمان قلعے کے اندر گھس جاتے۔ لیکن حضرت ابوعبیدہؓ نے اسی کو ترجیح دی کہ مسلمان اب شہر میں داخل نہ ہوں۔ کیونکہ وہ خستہ ودرماندہ ہو چکے تھے۔

حسینؓ سوار کا خیر مقدم

جنگ کی مشغولی اور ہنگامۂ کارزار کی گرم بازاری میں بہت کم سپاہیوں کو یہ معلوم ہوا کہ "حسین سوار" پہونچ گئے۔ اور آج کی فتح بھی ان کی شمشیر جوہردار کی ممنون منت ہے۔ لیکن جب رومی فوج قلعہ میں محصور ہوگئی اور مسلمان سپاہیوں کو جنگ کی طرف سے ایک گونہ اطمینان ہوا تو حسین سوار کی آمد کا مژدہ تمام چھاؤنی میں مشہور ہوگیا۔ اور لوگ جوق جوق حسین سوار کی آمد کا مژدہ تمام خیر مقدم کو آنے لگے۔ ہر چہار طرف سے تبریک وتہنیت کا غلغلہ بلند ہورہا تھا۔ اور حاضرین حسین سوار کو مع الخیر واپسی پر مبارک باد دے رہے تھے۔

حسین سوار اپنے فوجی بھائیوں سے مل کر بے حد مسرور وخرم تھے۔ کافی عرصہ تک وہ فوجی سپاہیوں کی مبارک باد کا جواب دیتے رہے۔ لیکن جب ذرا بھیڑ کم ہوئی اور وہ اپنے خیمہ میں آرام کرنے کے لئے گئے تو یکایک کسی کے تصور نے انھیں بے چین کر دیا۔

خیمہ میں ایک وہ تھے اور دوسرے ان کے بھائی ضرار تھے۔ حسین سوار نے اپنے بھائی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:۔

"بھائی صاحب خدا کا شکر ہے کہ ہم اپنی چھاؤنی میں پہونچ گئے۔ مگر نہیں معلوم وہ مجنون صفت لیلیٰ کہاں ہوں گی"

ضرار۔ میں بھی اسی خیال میں تھا۔ کاش کہ وہ بھی ہمارے ساتھ ہمارے لشکر میں چلی آتیں۔

حسین سوار۔ اپنے رومی لشکر کو چھوڑ کر اسلامی فوج کے ہمراہ آنا ان

کے لئے خطرناک تھا۔

ضرار۔ جب وہ اسلام قبول کرنے کے لئے تیار ہیں تو اسلامی لشکر کے ساتھ آنے میں کیا خطرہ تھا۔

حسین سوار۔ نہیں معلوم شاہان نے ملکہ اور جوزیفائن کے ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا۔

ضرار۔ مجھے تو معلوم ہوا ہے۔ کہ شاہان رومی فوج کا سردار قتل کر دیا گیا۔

حسین سوار۔ اگر یہ صحیح ہے تو ملکہ اور جوزیفائن کا ہمارے ہمراہ آنا اور بھی زیادہ خطرناک ہے۔

ضرار۔ اس کا سبب۔؟

حسین سوار۔ اس لئے کہ ان کی عدم موجودگی میں فوج کے اندر بغاوت پیدا ہو جانے کا اندیشہ تھا۔

ضرار۔ اب نہیں معلوم وہ کس سمت کا رخ کریں گی۔؟

حسین سوار۔ بظاہر تو انطاکیہ آنا چاہیئے۔

ضرار۔ لیکن جب انھیں یہ معلوم ہوگا۔ کہ انطاکیہ محصور ہے تو پھر وہ ادھر کا رخ نہ کریں گی۔

حسین سوار۔ یہی تو میں سوچ رہا ہوں کہ اگر وہ وہاں سے کسی اور سمت کو روانہ ہو گئیں تو پھر ملاقات سخت دشوار ہے۔

ضرار۔ اگر آپ کی رائے ہو تو کوئی قاصد روانہ کر دیا جائے۔

حسین سوار۔ قاصد کا روانہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ تاکہ وہ کسی اور سمت کا رخ نہ کریں۔

یہ کہہ کر حضرت ضرار نے حضرت ابو عبیدہ سے ایک قاصد طلب کیا۔ اور اسے ملکہ و جوزیفائن کے پاس بھیجدیا۔ حسین سوار نے ایک قاصد کو ایک

خط بھی دیا۔ اور یہ تاکید کردی کہ جوزلیفائن کے سوا اور کسی کو نہ دے۔ قاصد خط لے کر روانہ ہوا۔

اگرچہ قاصد روانہ ہو چکا تھا اور رات کا بھی کافی حصہ گذر چکا تھا۔ لیکن حسین سوار کو نیند نہیں آتی تھی۔ جسم چور چور تھا۔ اور آج کی جنگ میں بھی کافی حصہ لیا تھا۔ لیکن اس غیر معمولی نقصان کے باوجود "حسین سوار" کی پلک نہیں جھپکتی تھی۔ وہ کسی کے تصور میں بے قرار تھا۔ اور بار بار کروٹیں بدلتا تھا۔ یہاں تک کہ آفتاب حجلۂ مشرق سے نمودار ہوا۔ اور حسین سوار بھی اپنے بستر سے اٹھ کر خیمہ سے باہر آیا۔ اس کی آنکھیں بار بار اس طرف کو دیکھ رہی تھیں۔ جدھر سے ملکہ و جوزیفائن کے آنے کی توقع تھی۔

انطاکیہ پر مسلمانوں کا قبضہ

نہروان نے اچانک ایک خاص موقع سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں پر فیصلہ کن شبخون مارا تھا۔ لیکن اس میں رومی فوج کا نقصان زیادہ ہوا۔ اور اسے پسپا ہونا پڑا۔ اس شکست نے نہروان والئی انطاکیہ کے حوصلے پست کر دیئے۔ اور اس نے دل میں فیصلہ کرلیا۔ کہ اب لڑنا فضول ہے۔ جبکہ رومی فوج ہمت ہار چکی ہے۔ اور فتح کی توقعات پامال ہو چکی ہیں۔

اس کے ساتھ "حسین سوار" کے زندہ و سلامت آنے اور میدان جنگ میں نعرۂ جہاد بلند کرنے نے رومیوں کو اور زیادہ مرعوب کر دیا۔ یہ لوگ سمجھتے تھے۔ کہ "حسین سوار" اس جہان سے رخصت ہو گئے۔ مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ شیر غراں شمشیر ہاتھ میں لئے ایک غیبی فرشتہ کی طرح پھر اتر آیا۔ لہذا نہروان والئی انطاکیہ نے چند افسران کو بلایا۔ کہ مصالحت

کے متعلق مشورہ کرے۔

جب یہ لوگ پہونچ گئے تو نہروان نے صورت حالات بیان کر کے کہا۔ اب کیا کیا جائے۔

ایک متعصب افسر۔ جنگ کی جائے اور مسلمانوں کو اس ملک سے نکال دیا جائے۔

نہروان۔ کیا ایسے بہادر انطاکیہ میں موجود ہیں۔؟

متعصب افسر۔ جی ہاں موجود ہیں۔ اور ان میں سے ایک میں ہوں۔

نہروان۔ تو پھر کل کے معرکہ میں آپ پسپا کیوں ہوئے اور قلعہ کی آڑ میں پناہ کیوں لی۔

متعصب افسر۔ ذرا سوچ کر۔ میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ ورنہ میں مرجاتا اور وہاں سے واپس نہ آتا۔

دوسرا افسر۔ معزز سپہ سالار یہ غلط کہتے ہیں کہ آپ کے حکم کی تعمیل میں پسپا ہوئے۔ یہ میرے دوش بدوش لڑ رہے تھے۔ اور میں انھیں دیکھ رہا تھا۔ جب حسین سوار صفیں چیر کر ان کی طرف بڑھا۔ تو یہ بھاگ نکلے اور سب کے پیچھے آ کر دم لیا۔

متعصب افسر۔ وہ کوئی اور میرا ہم شبیہ ہوگا میں نے ہرگز ایسا نہیں کیا۔

ایک دوسرا افسر۔ نہیں جناب یہ غلط کہتے ہیں۔ میں ان کے میسرہ میں تھا۔ اور میں نے خود دیکھا ہے کہ عرب بہادروں کے حملہ کو دیکھ کر بھاگ گئے تھے۔

نہروان۔ اس وقت خاص جلسۂ شوریٰ ہے۔ اور آئندہ کے لئے کوئی لائحہ عمل طے کرنا ہے۔ اس میں کسی غلط بیانی سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ مجھے یہ دریافت کرنا ہے کہ کیا ہماری فوج عربوں سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہے۔ اور اس میں کامیابی کی کوئی توقع ہے۔؟

متعصب افسر۔ بلاشک افسر تو جنگ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر سپاہی غالباً تیار نہیں ہیں۔

نہروان۔ ان افسروں میں سے آپ یقیناً ہوں گے۔

متعصب افسر۔ جی ہاں میں تو ہر وقت مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔

نہروان۔ لیکن جب آپ کے ساتھ آپ کی فوج نہ ہوگی۔ تو تنہا آپ کی جنگ سے کیا فائدہ۔

متعصب افسر۔ کوئی فائدہ ہو یا نہ ہو۔ لیکن میں تو جنگ کرنے کے لئے تیار ہوں۔

نہروان۔ جنگ کرنے کے ساتھ یہ بھی غور کیجئے کہ ہم اپنے ملک اور قوم کی عزت کیوں کر بچا سکتے ہیں۔

اگرچہ متعصب افسر جیسے تعصب نے احمق بھی بنا دیا تھا ڈینگیں مارتا رہا۔ لیکن اس مجلس شوریٰ میں قرار پایا کہ مسلمانوں سے صلح کر لی جائے۔ اور انطاکیہ ان کے حوالہ کر دیا جائے۔ چنانچہ نہروان نے چند لائق سفراء کے ذریعہ سے شرائط صلح طے کر لیں۔ اور یہ شرائط تقریباً وہی تھیں جو اس سے پہلے بعض مقامات کو حوالے کرتے وقت طے ہو چکیں تھیں۔ اور جن میں قانونی مساوات اور مذہبی آزادی کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا تھا۔

تکمیل شرائط کے بعد اسلامی فوج ہلالی پرچم لہراتی ہوئی انطاکیہ میں داخل ہوئی۔ جب یہ فوج فاتحانہ طریق پر داخل ہو رہی تھی تو جھروکوں اور کھڑکیوں سے رومی عورتیں اس روح پرور نظارہ کو دیکھ رہی تھیں۔ ایک مقام سے جب حسین سوار اپنے گھوڑے پر گزرے تو ایک غلغلہ بلند ہوا کہ :۔

"یہ حسین سوار ہیں۔"

اس آواز میں خدا جانے کیا مقناطیسی اثر تھا کہ جس نے سنی وہ جوش مسرت سے جھومنے لگا۔ اور حسین سوار کی مسرت و شادمانی کی تو کوئی حد نہ تھی۔

انطاکیہ کا قاصد

ابھی آفتاب طلوع ہوا تھا۔ اور اس کی زریں شعاعیں اچھی طرح بکھری بھی نہ تھیں کہ جوزیفائن آنکھیں ملتی ہوئی بستر خواب سے اٹھی۔ اس نے باغ آرزو کے تاج الملوک کی یاد میں تمام رات آنکھوں میں کاٹی تھی لیکن آخری شب میں نیند آگئی اور اسی لئے آج وہ سورج نکلنے کے بعد بیدار ہوئی۔ ورنہ ہمیشہ آسمان کے آفتاب سے پہلے شامی حسن کا آفتاب حجلۂ خواب سے طلوع ہوا کرتا تھا۔

آج اس ملکہ حسن کا چہرہ زیادہ دمک رہا تھا۔ اور آنکھیں نیند کے خمار سے اگرچہ سُرخ تھیں۔ لیکن ایسی معلوم ہوتی تھیں کہ کسی نے بجلی کی چمک میں قوس و قزح کی سرخی بھی شامل کر دی ہے۔ اس نے جب اُٹھتے ہوئے انگڑائی لی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین کی طنابیں کھچ رہی ہیں اور آسمان مجرے کے لئے جھک رہا ہے۔ صاف وشفاف رخساروں میں شباب کا رنگ جھلک رہا تھا۔ اور نازک لبوں کی سُرخی نے انھیں چشمۂ حیات کا ساحل بنا دیا تھا۔

ابھی وہ اٹھ کر اچھی طرح سنبھلنے بھی نہ پائی تھی کہ انطاکیہ کا قاصد پہونچ گیا۔ اور اس نے ایک خادم کے ہاتھ اپنا خط جوزیفائن کے حریم ناز میں بھجوا دیا جوزیفائن نے یہ سمجھکر کہ یہ خط انطاکیہ کے مسیحی والی کا ہوگا کچھ التفات نہ کیا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ یہ خط انطاکیہ کے مسیحی سپہ سالار کا نہیں۔ بلکہ قادر انداز ترک کا ہے۔ جس کا نام "حسین سوار" ہے۔ اور جو انطاکیہ کا والی نہیں۔ بلکہ جوزیفائن کی اقلیم آرزو کا مالک ہے۔

قاصد دیر تک انتظار کرتا رہا۔ اور جب جواب نہ آیا تو اس نے پھر زبانی پیام بھجوایا کہ۔

"اجازت ہو تو میں واپس جاؤں "حسین سوار" منتظر ہوں گے"

جب یہ کلمہ گوش گذار ہوا۔ تو جوزلیفائن "حسین سوار" کا نام سنکر ہکا بکا رہ گئی۔
اور اس نے دل ہی دل سوچ کر کہا کہ :۔

"کون حسین سوار؟ کیا وہی حسین سوار جس نے شجاعت کی بازی میں
شام کو فتح کیا۔ اور حسن کی بازی میں مجھے جیت لیا"

اس کے بعد خادمہ سے کہا کہ یہ دریافت کرو کہ :۔

"قاصد شامی ہے یا عرب، اور اگر عرب ہے تو کس نے بھیجا ہے"؟

خادمہ نے آکر عرض کیا کہ :۔

"قاصد عرب ہے اور کہتا ہے کہ مجھے حسین سوار اور ان کے بھائی ضرار
نے بھیجا ہے"

یہ سنکر جوزلیفائن تڑپ اٹھی اور والہانہ بیتابی کے ساتھ وہ خط اٹھا کر لائی۔
کھول کر پڑھا تو لکھا تھا کہ :۔

"ملکۂ اخلاص و محبت کو معلوم ہو کہ میں اور بھائی ضرار اپنی چھاؤنی میں پہنچ
گئے۔ یہاں آتے ہی رومی فوج سے ایک سخت معرکہ ہوا۔ چونکہ عرصہ
سے شاہان کی زنجیروں میں مقید رہا تھا۔ اس لئے آزاد ہو کر میں نے
بھی خوب مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی شکست فتح سے بدل
گئی۔ اور توفیق الٰہی نے میری اس قدر امداد فرمائی کہ اس شدید رن میں
میرا بال بیکا نہیں ہوا۔ یہ خط اس لئے لکھ رہا ہوں کہ آپ اور ملکہ صاحبہ
انطاکیہ کا رخ کریں۔ ابھی میں کچھ عرصہ تک یہاں رہوں گا۔ ایسا نہ ہو
کہ آپ کسی اور سمت کو روانہ ہو جائیں۔ بھائی ضرار کے کہنے سے یہ عریضہ
اس قاصد کی معرفت بھیج رہا ہوں"

آپ کا خیر خواہ :۔

"حسین سوار"

یہ خط پڑھ کر جوزلیفائن باغ باغ ہو گئی۔ کبھی اس خط کو سر پر رکھا۔ کبھی سینہ

سے لگاہا۔ اور کبھی آنکھوں سے۔ یہاں تک کہ کبھی بار بار پڑھ لیا۔ لیکن جی نہ بھرا۔ کبھی کہتی تھی کہ یہ "نامہ" نہیں ہے۔ بلکہ "نوشتۂ حیات" ہے۔ کبھی کہتی تھی کہ "صحیفۂ تمنا" ہے۔ اور کبھی کہتی تھی کہ میرے لئے "عشق و محبت کی لوح محفوظ کا ایک ورق ہے۔

اس کے بعد اس نے خادمہ سے دوات و قلم منگا کر یہ جواب لکھا کہ:-

"میری امیدوں کے بادشاہ اور تمناؤں کے سردار کو ایک دل شکستہ خادمہ کی طرف سے معلوم ہو کہ آپ کا صحیفۂ اخلاص و محبت موصول ہوا۔ اس کو پڑھ کر میری تمناؤں کی تاریک دنیا روشن ہو گئی۔ اور غمگین و بے قرار دل از سر نو زندہ ہو گیا۔ میں اور ملکہ صاحبہ تعمیل ارشاد کے لئے تیار ہیں۔ آج کسی وقت یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ آپ نے بڑا کرم کیا کہ دنیائے حزن و ملال کی بسنے والی ایک غمگین خاتون کو اطمینان عطا فرمایا۔ میں کیا کہوں کہ اس صحیفہ مسرت کو پڑھ کر میرا کیا حال ہوا، پہلے میں مردہ تھی اب زندہ ہوں۔ اور پہلے میں رنج و محن کا ایک مجسمہ تھی۔ لیکن اب پیکر مسرت و شادمانی ہوں۔ خداوند خدا آپ کی اس چشم التفات کے سایہ میں مجھے ہمیشہ زندہ رکھے۔"

آپ کی چشم و ابرو کی غلام:-

"جوزیفائن"

قاصد یہ خط لے کر انطاکیہ کو روانہ ہوا۔ اور عین اس وقت جبکہ حسین سوار کی آنکھیں ناقۂ لیلیٰ کی منتظر تھیں تو یہ نامہ بر محمل نشین ملکۂ حسن کا خط لے کر پہونچا۔ حسین سوار نے شوق و اشتیاق کے ہاتھوں سے کھولا۔ اور محبت و الفت کی نظروں سے پڑھا۔ اور ملکہ جوزیفائن کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

انطاکیہ میں ملکۂ انطاکیہ کی آمد

ابھی آسمان کا آفتاب غروب نہ ہوا تھا کہ ملکہ جوزیفائن انطاکیہ کی دیواروں کے نیچے پہونچ گئیں۔ لیکن انھوں نے دیکھا کہ رومی شہنشاہیت کا آفتاب غروب ہو گیا۔ اور اب انطاکیہ کے قلعہ پر مسیحی جھنڈے کی بجائے اسلامی پھریرا اڑ رہا ہے۔ یہ دیکھ کر ملکہ کو کچھ افسوس ہوا۔ لیکن جوزیفائن پر مطلق اثر نہیں ہوا۔ ملکہ بھی انطاکیہ کی فتح کو غیر متوقع نہیں سمجھتی تھی۔ اور جوزیفائن تو جب اپنے دل و دماغ اور جان و آبرو کو حسین سوار پر قربان کر چکی تھی تو باپ کی سلطنت کو قربان کرنے میں اسے کیا خیال ہو سکتا تھا۔ وہ تو اس وقت انطاکیہ کی دیواروں پر قیصری جاہ و جلال کو نہیں بلکہ حسین سوار کے چہرے کو تلاش کر رہی تھی۔

حسین سوار اگرچہ اسلامی فوج کے ہمراہ شہر انطاکیہ میں داخل ہو گئے تھے۔ لیکن انھوں نے جوزیفائن کے انتظار میں چھاؤنی کی قیام گاہ کو نہیں چھوڑا تھا۔ جب ملکہ و جوزیفائن کے خیر مقدم کے لئے وہاں پہونچے اور اپنی قیام گاہ میں لے آئے۔

اللہ اللہ ایک وہ وقت تھا کہ انطاکیہ کے شاہی محلات میں حسین سوار ایک غریب الوطن کی طرح آکر مقیم ہوا تھا۔ اور ایک وقت یہ تھا کہ حسین سوار انطاکیہ کا فاتح ہے۔ اور جوزیفائن و ملکہ اس کے مہمان ہیں۔

ملکہ کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ قیصر انطاکیہ کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ گئے۔ اندر نہروان والی انطاکیہ نے حضرت ابو عبیدہؓ سے صلح کر کے انطاکیہ عربوں کے حوالہ کر دیا۔ اس لئے ان کو بھی راحت اسی میں نظر آئی کہ وہ اس غمگین شہر میں اپنے قیام کے دن "حسین سوار" کی رفاقت میں گذارتے۔ حسین سوار نے عربی رسم و رواج کے مطابق اپنے معزز مہمانوں کی خاطر د

مدارات میں کافی اہتمام کیا۔ اور کوئی دقیقہ اٹھا نہیں۔

جوزیفائن تو حسین سوار پر صدقے اور قربان ہتی ساگر یہ کچھ بھی تواضع نہ کرتے تو وہ اس آستانہ کو اپنے لئے جنت کا دروازہ سمجھتی تھی۔ مگر ملکہ بھی حسین سوار کے اخلاق و نرم خوئی کی بہت گرویدہ تھی حتیٰ کہ اس وقت کی مہمان نوازی نے ملکہ کے دل پر بے حد اثر کیا۔ اور وہ پہلے سے زیادہ حسین سوار سے محبت کرنے لگی۔

جب کھانے سے فارغ ہو کر ملکہ سو گئیں۔ تو جوزیفائن اپنے بستر سے اٹھیں اور حسین سوار کے پاس آ کر رونے لگیں۔

حسین سوار بے خبر سو رہے تھے۔ لیکن جب آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ کوئی شخص ہڈکیوں سے رو رہا ہے۔ حسین سوار کے دل پر زبردست چوٹ لگی۔ اور انھوں نے پوچھا کہ:-

"اس وقت کون رو رہا ہے"؟

جوزیفائن۔ (اپنے تئیں سنبھال کر) ایک بدنصیب خاتون ہے جس پر عرصہ ہوا کہ نیند حرام ہو گئی ہے۔

حسین سوار۔ اس نیند کے حرام ہونے کا کیا سبب ہے۔؟

جوزیفائن۔ یہ کہ ایک بے پروا شخص محو آرام ہے۔ اور اس کو ایک حسرت نصیب دل کی کچھ خبر نہیں۔

حسین سوار۔ ایسا بے درد کون ہے۔؟

جوزیفائن۔ (ہچکی لے کر) ادب اور آئین محبت اس کی اجازت نہیں دیتا کہ میں اس کا نام عرض کروں۔

حسین سوار۔ ادب ہمدردوں کے لئے ہے، بے دردوں کیلئے نہیں۔

جوزیفائن۔ ذرا سوچ کر فرمایئے۔ کہیں یہ الفاظ آپ کو واپس نہ لینے پڑیں۔

اب تک خیمہ میں تاریکی تھی۔ اور یہ تمام گفتگو اسی تاریکی میں ہوئی۔

جوزیفائن نے اگرچہ حسین سوار کو پہچان لیا تھا لیکن حسین سوار نے نہیں پہچانا

تھا۔ کچھ تو اس لئے کہ رونے سے جوزلیفائن کی آواز متغیر ہو گئی تھی۔ اور کچھ اس لئے کہ حسین سوار کے دماغ پر ابھی خمار کا اثر باقی تھا۔

جب جوزلیفائن کا یہ فقرہ سنا کہ:۔

"ذرا سوچکر فرمایئے"

تو فوراً ہی ذہن اس طرف منتقل ہو گیا کہ یہ آواز کسی آشنا کی ہے۔ حسین سوار اپنے بستر سے اٹھا۔ چراغ روشن کیا تو دیکھا کہ:۔

شام کی ملکۂ حسن کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں۔ اور اس کا دامن تر ہو گیا ہے۔ یہ دیکھ کر فوراً ہی حسین سوار جوزلیفائن کے پاس پہونچے اور والہانہ محبت و ہمدردی سے بے قرار ہو کر جوزلیفائن کو آغوش میں لے لیا۔ اور تسلی دینے کی کوشش کی۔ جوزلیفائن بھی یہ التفات دیکھ کر حسین سوار سے لپٹ گئی۔ اور خوب انھیں بھینچ بھینچ کر روئی۔ حسین سوار خود بھی رو رہا تھا۔ تاہم جوزلیفائن کو تسلی دینے میں مشغول تھا۔

جب دونوں طرف سے دل بھر اس نکل گئی۔ اور طبیعتوں کو ذرا سکون ہوا تو جوزلیفائن نے حسین سوار کے گلے میں باہیں ڈال کر کہا کہ:۔

"اس قدر عرصۂ دراز کے بعد آج آپ بغلگیر ہوئے ہیں۔ تو کیا میں امید رکھوں کہ آئندہ بھی اس نعمت سے فائز المرام ہوں گی"

حسین سوار۔ بیشک ایسا ممکن ہے۔

جوزلیفائن۔ لیکن آپ تو پہلے مجھے یہ کہہ کر ٹال دیا کرتے تھے۔ کہ ایک غیر محرم مرد عقد سے پہلے کسی عورت کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

حسین سوار۔ میں اب بھی یہی کہتا ہوں لیکن یہ مسئلہ غیر محرم مرد و عورت کے لئے ہے۔"

جوزلیفائن۔ تو کیا میں اپنی قسمت پر ناز کروں کہ اب آپ میرے لئے غیر محرم مرد نہیں ہے۔

حسین سوار کو اب اپنی اصلی پوزیشن کا خیال آیا۔ اور فوراً ہی یہ کہہ کر بات

ٹالنے کی کوشش کی۔ کہ میں اب بھی غیر محرم ہوں۔ لیکن فرطِ جوش و محبت میں مجھ سے غلطی ہوئی۔

یہ کہہ کر حسین سوار نے اصلی راز کو پھر چھپا لیا۔ اور جوزیفائن یہ سنکر حیرت سے منہ تکنے لگی۔

اصرار و انکار

حسین سوار نرم دل بھی تھا اور نرم خو بھی تھا وہ کسی آفت رسیدہ کو دیکھ کر تڑپ جاتا تھا۔ اور اس کا دل غمزدوں کے مصائب سنکر پگھلنے لگتا تھا۔ لہذا جوزیفائن کا رات کو پچھلے پہر اٹھ کر آنا اور خون کے آنسوؤں سے رونا ایک ایسا سانحہ تھا کہ حسین سوار کا کلیجہ پھٹ گیا۔ اور دل شق ہو گیا۔ لیکن افسوس کہ جوزیفائن کے ناسور کا علاج اس کی استطاعت و قدرت سے باہر تھا۔ اس وقت جوزیفائن منتیں کر رہی تھی۔ ہاتھ جوڑ رہی تھی۔ اور گرم گرم آنسوؤں کو بہا کر اسے اپنے ساتھ عقد کرنے پر راضی کر رہی تھی۔ لیکن حسین سوار پیہم انکار کر رہا تھا۔ اس نے اپنے رومال سے جوزیفائن کے آنسو پونچھے۔ اس کی منتوں کے جواب میں خود بھی کتنی بار منتیں کیں۔ مگر اس پر بھی ادھر سے اصرار رہا۔ اور ادھر سے انکار۔

جب جوزیفائن ہر طرح عاجز ہو گئی تو اس نے کہا کہ:۔

"کیا آپ کو مجھ پر اطمینان نہیں"؟

حسین سوار۔ کامل اطمینان ہے۔

جوزیفائن۔ تو کیا آپ مجھے اسلام میں داخل کرنا نہیں چاہتے۔؟

حسین سوار۔ یقیناً چاہتا ہوں۔

جوزیفائن۔ پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو عقد سے انکار کیوں ہے؟ بس کلمہ پڑھایئے۔ اور سنت ادا کیجئے۔

حسین سوار۔ (کچھ دیر خاموش رہ کر اور سوچکر) افسوس یہ ہے کہ اس کا

سبب میں ابھی نہیں بتا سکتا۔

جوزیفائن ۔ اس کا سبب جہاداور جنگ کے رازوں سے زیادہ اہم نہیں ہوسکتا۔ جب آپ نے مجھے وہ راز بتادیئے تو پھر یہ راز کیوں چھپایا جاتا ہے؟

حسین سوار ۔ میں جس قدر اپنی ذات پر اعتماد کرتا ہوں۔ اسی قدر آپ پر اعتماد ہے۔ لیکن افسوس کہ یہ راز ابھی آپ پر ظاہر نہیں کر سکتا۔

جوزیفائن ۔ اگر آپ ابھی ظاہر نہیں کرتے۔ تو کیا آپ دم نزع ظاہر کریں گے۔ یا میری قبر کو سنائیں گے۔؟ یا میری خاک کو یہ راز بتایا جائے گا۔؟

حسین سوار ۔ تم میری جان و دل کی مالک ہو ایسی مایوسانہ باتیں نہ کرو۔

جوزیفائن ۔ جی ہاں دل کی مالک ہوں۔ لیکن اس چیز کی مالک نہیں جو دل میں ہے۔ مجھے ایسا دل نہیں چاہیئے۔

حسین سوار ۔ اگر دل نہیں چاہیئے تو پھر آپ نے اس پر قبضہ کیوں کر رکھا ہے؟

جوزیفائن ۔ (تیوری چڑھا کر) میں نے کسی کے دل پر قبضہ نہیں کیا۔ ہاں اپنا دل ایک ایسے شخص کے قبضہ میں دے دیا ہے۔ جس کے پاس دل ہی نہیں۔

حسین سوار ۔ شہزادی صاحبہ آپ خفا نہ ہوجیئے۔ میں بھی آپ کا ہوں اور میرا دل بھی آپ کا ہے۔

جوزیفائن ۔ مجھے شہزادی نہ کہو، میں تمہارے در کی بھکارن ہوں اور بار بار تم سے بھیک مانگنے آتی ہوں۔ اگر شہزادی ہوتی تو میری استدعاؤں اور منتوں کو اس طرح ٹھکرایا نہ جاتا۔

حسین سوار ۔ میں آپ کی منتوں کو ٹھکراتا نہیں۔ بلکہ سر پر رکھتا ہوں۔

جوزلیفائن۔ سبحان اللہ کسی کی منتوں کے سر پر رکھنے کے واقعی یہی معنی ہیں کہ ہر بات کے جواب میں نفی ہو۔

حسین سوار۔ آپ تو مجھے بار بار شرمندہ کرتی ہیں۔ لیکن واقعہ یہی ہے کہ روم کی شہزادی کا ہر حکم میرے سر آنکھوں پر ہے۔

جوزلیفائن۔ اب تک تو میں سنتی تھی کہ عرب کے لوگ بہت سیدھے اور صاف گو ہوتے ہیں۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ وہ سخن ساز بھی ہیں اور حیلہ باز بھی۔

حسین سوار۔ سخن ساز کہو یا حیلہ باز، بہر حال میں آپ کا خادم ہوں۔

جوزلیفائن۔ خادم نہیں میں تو آپ کو اپنا سر تاج بنانا چاہتی ہوں پھر انکار کیوں ہے۔؟

حسین سوار۔ آپ کے حُسن لازوال کی شمع کے سامنے میری عقل و خرد کا چراغ گل ہو چکا۔ اس لئے مجبور ہوں کہ آپ کے دلائل کے جواب میں کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتا۔

جوزلیفائن۔ لیکن سب دلیلوں سے بڑھ کر ایک دلیل تو آپ کے پاس موجود ہے

حسین سوار۔ وہ کونسی دلیل۔؟

جوزلیفائن۔ آپ ایسے بھولے ہیں کہ اس دلیل کی خبر نہیں۔ سچ ہے اس صیاد سے زیادہ ستمگر کون ہوگا جو تیر چلائے اور خبر نہ ہو۔

حسین سوار۔ میں اس حسن ظن کے لئے ملکۂ حُسن کا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن یہ تو بتائیے کہ مجھ غریب کے پاس وہ کونسی دلیل ہے۔ جس کا جواب آپ کے پاس بھی نہیں۔

جوزلیفائن۔ آپ غریب ہیں۔ ہم ایک دوشیزہ کے صبر و قرار کو لوٹا۔ اس کے چین و آرام کی دنیا کو تاراج کر دیا۔ اور اس کے دل و دماغ کی قلمرو پر سکہ جما دیا۔ پھر بھی آپ غریب ہیں۔ اگر غربت اسی کا نام ہے تو خدا سے دعا

کرو کہ تمھاری عزت مجھے مل جائے۔

حسین سوار۔ میں تمہیں مل گیا۔ تو میری ہر صنعت اور ہر چیز تمھاری ہے۔

جوزلیفائن۔ اگر تم مجھے مل جاتے تو ہر سوال کا جواب نہیں اور ہر دلیل کا جواب نفی ہوتا۔

حسین سوار۔ میں یقیناً تمہارا ہوں۔ تمھارا ہو کر رہوں گا۔ اور تمھارا ہو کر جیوں گا۔

جوزلیفائن۔ اگر یہ الفاظ صرف تسلی کے لئے نہیں تو پھر کیا میں سمجھوں کہ آپ میرے ساتھ عقد کرنے پر راضی ہیں۔؟

حسین سوار۔ افسوس کہ میں مجبور ہوں اور اس سوال کا جواب اثبات میں نہیں دے سکتا۔

جوزلیفائن۔ آہ افسوس اسی لئے تو میں کہتی ہوں کہ آپ مجھے طفل تسلیاں دے رہے ہیں۔ اور اصل مدعا کا کبھی اقرار نہیں کرتے۔

بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور جوزلیفائن پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس نے بہت ضبط کیا۔ مگر گئی بالے اختیار ہچکیں نکل گئیں۔ حسین سوار نے اس کو بہت سمجھایا۔ آغوش میں لیا۔ سر پر ہاتھ رکھا۔ رخساروں سے آنسو پونچھے مگر اس نازک دل نازنین کا رونا بند نہ ہوا۔ یہاں تک کہ ملکہ روم کی بھی آنکھ کھل گئی اور دوسری طرف شب بلدا بھی جگر شق ہو گیا جس میں سے آفتاب کی سنہری شعاعیں نمودار ہوئیں۔ اور صبح کا فرشتہ طباشیر چھڑکتا ہوا ظاہر ہوا۔

حسین سوار اور سپہ سالار

ملکۂ روم اس آگ سے اچھی طرح واقف تھی جو جوزلیفائن کے قلب میں عرصہ سے سلگ رہی تھی۔ ملکہ اپنی اکلوتی بیٹی کو اپنے کمرہ میں لے گئی۔ اور وہاں اسے سمجھانے لگی۔ ادھر حسین سوار نے حوائج ضروری سے فارغ ہو کر وضو کیا۔ اور

نماز پڑھی۔ ابھی وظیفہ ختم نہیں کیا تھا کہ حضرت ابو عبیدہؓ سپہ سالار کا قاصد آیا۔ اور حسین سوار سے کہا۔ کہ آپ کو سپہ سالار اعظم نے یاد فرمایا ہے۔ حسین سوار یہ سمجھ کر کہ کسی مہم کی تیاری ہوگی۔ لہذا بلا تاخیر فوراً روانہ ہو گئے۔"

حضرت ابو عبیدہ فرش پر بیٹھے تھے اور داہنی طرف مدنی لباس میں ایک شخص بیٹھا تھا۔ جب حسین سوار پہونچے تو حضرت ابو عبیدہ نے اٹھ کر مصافحہ کیا۔ اور دوسرے شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ :-

"یہ امیر المومنین حضرت فاروق اعظم کے قاصد ہیں۔ اور مدینہ منورہ سے تشریف لائے ہیں۔"

حسین سوار نے قاصد کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور نہایت عقیدت سے مصافحہ کیا۔ اس کے بعد پوچھا کہ آپ کیا مژدۂ جانفزا لائے ہیں۔ مدنی قاصد تو اس سوال کے جواب میں خاموش رہے۔ لیکن حضرت ابو عبیدہ نے ایک خط دیا۔ اور کہا کہ آپ کو دربار خلافت کی طرف سے لینے آئے ہیں۔

یہ سنکر حسین سوار کا رواں رواں خوش ہو گیا۔ اور کہا کہ اس عاجز و ناچیز ہستی سے ایسا کیا کام ہوا ہے۔ کہ اعلیٰ حضرت امیر المومنین نے یاد فرمایا۔

حضرت ابو عبیدہ نے کہا۔ کہ پہلے خط پڑھ لیجئے۔ حسین سوار نے خریطہ چاک کر کے خط نکالا۔ اور پڑھنا شروع کیا۔ خط میں لکھا تھا کہ :-

"غازی اسلام۔ مجاہد ملت حسین سوار کو عمر بن الخطاب کی طرف سے معلوم ہو کہ آپ کی شجاعت و بسالت کی تمام مسلمانوں میں دھوم ہے۔ اور آپ کی جوانمردی و بہادری کے کارناموں سے مدینہ منورہ کی گلیاں گونج رہی ہیں۔ ہر متنفس آپ کی زیارت کا متمنی ہے۔ اور یہ آرزو رکھتا ہے کہ آپ مدینہ منورہ تشریف لائیں اور اپنی زیارت سے مشرف فرمائیں۔"

یہ خط پڑھ کر حسین سوار کے جوش مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اللہ اللہ حسین سوار ایک سپاہی تھے لیکن آج وہ تمام اسلامی فوج میں سے منتخب کرکے دربار خلافت میں طلب کئے جا رہے ہیں۔ تاکہ جیران محمد الرسول اللہ صلعم ان کی زیارت کریں۔ اور بہادری پر مبارک باد دیں۔ چھوٹی چھوٹی لڑکیاں اشعار گائیں اور خواتین اپنے بچوں کو اس بہادر کے کارناموں سے لوریاں دیں۔

یہ فخر ایک غازی فی سبیل اللہ کے لئے کچھ کم نہ تھا کہ جس شہر کی مقدس گلیوں نے تاجدار نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیر مقدم کیا ہو۔ آج وہی شہر ایک خادم رسول صلعم کا خیر مقدم کرے۔ اور ان کو زیارت کے لئے دعوت دے۔ اس سے زیادہ فخر و ناز کسی پرستار رسول کے لئے اور کیا ہو سکتا ہے۔

حسین سوار یہ سنکر خوشی سے پھولے نہ سمائے لیکن اس خوشی میں طبعی طور پر بدنصیب جوزیفائن کا خیال آیا۔ اور اس سے ایک گونہ حسرت ہوئی۔ تاہم وہ امیرالمومنین کے فرمان کو ٹال نہ سکتے تھے۔ لہذا انھوں نے حضرت ابو عبیدہ کے مشورہ سے یہ طے کیا کہ وہ پرسوں دربار خلافت مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔

اس کے بعد حسین سوار واپس آئے تو جوزیفائن دلگیر، ان کی منتظر تھیں۔ جوزیفائن کی آنکھیں روتے روتے سرخ و متورم ہو گئی تھیں۔ اور ان کا چہرہ بالکل مرجھا گیا تھا۔ مگر اس وقت حسین سوار کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ جوزیفائن نے دیکھ کر کہا۔ کہ :-

"آپ کیا پیغام لائے جو اس قدر مسرور ہیں"؟

حسین سوار:- "میرے لئے واقعی سرور کا پیغام ہے۔ لیکن آپ کو یہ پیام سنکر رنج ہوگا"

جوزیفائن :- آخر وہ کیا پیام ہے۔ جو آپ کے لئے موجب مسرت

اور میرے لئے باعث ملال ہو"؟

حسین سوار :۔ دربار خلافت سے امیر المومنین حضرت فاروق اعظم نے مجھے طلب فرمایا ہے۔ اور لکھا ہے کہ تم جلد آؤ۔ اہل مدینہ تمہاری شجاعت کے کارنامے سنکر تمہاری زیارت کے مشتاق ہیں۔

جوزلیفان ۔ یہ پیام میرے لئے موجب ملال کیوں ہوتا۔ میں تو یہ سنکر بہت خوش ہوئی۔ کہ جو میرا محبوب ہے وہ کل دنیا حتیٰ کہ اہل مدینہ کا بھی محبوب ہے۔

حسین سوار :۔ ملال کا سبب یہ ہے کہ میں نے وہاں جانے کا وعدہ کرلیا ہے۔ تمہیں اس جدائی سے قلق ہوگا۔

جوزلیفان ۔ میں نے تمہاری خوشی کے لئے سب کچھ برداشت کیا ہے اس جدائی کا پہاڑ بھی سر پر اٹھاؤں گی۔ لیکن ایک شرط ہے۔

حسین سوار :۔ وہ کیا۔؟

جوزلیفان :۔ یہ کہ مجھے صاف صاف جواب دو۔ اگر عقد کرنا منظور ہے؟ تو اس کا وقت مقرر کردو۔ اور اگر منظور نہیں تو مجھے بتادو کہ میں اپنی قسمت کا فیصلہ کسی خنجر سے کروں۔

پھینک دیں گے ابھی ہم چیر کے پہلو اپنا
تم پہ قابو نہیں دل پر تو ہے قابو اپنا

حسین سوار :۔ خدا کے لئے ایسا وہم دل میں نہ لانا۔

جوزلیفان ۔ اگر میں اپنی جائز آرزو میں بھی ناکام رہی۔ تو اس کے سوا چارہ نہیں کہ میرا خون آپ کے سر ہو۔ اور قیامت کے دن آپ کے دامن کو پکڑ کر کہوں کہ ایک جائز آرزو کو ٹھکرا کر اس بیدرد نے مجھے حرام موت مرنے پر آمادہ کیا۔

حسین سوار۔ میں تمھارے اس ارادہ کے تصور سے کانپ جاتا ہوں۔ خدا کے لئے ایسا نہ کرنا کہ اپنے ساتھ مجھے بھی زندہ درگور کرو۔"

جوزلیفائن:۔ اگر آپ اپنی ضد پر قائم رہے تو میں کٹاری کھاکر اپنے تئیں ہلاک کرنے کا فیصلہ کرچکی ہوں۔ اور لو دیکھو کہ یہ خنجر بھی میں لے آئی ہوں۔ بس اب میرے پہلو میں دو ہی چیزیں ہوں گی یا تم اور یا یہ خنجر۔

حسین سوار۔ (خنجر دیکھ کر لرز گیا۔ اور منتیں کرکے کہنے لگا۔) اس ارادے سے باز آؤ۔ اور خنجر کو پھینکدو۔

جوزلیفائن۔ یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ تم صاف صاف وعدہ نہ کرو۔

حسین سوار۔ اچھا تو میں اس کا وعدہ مدینہ منورہ سے واپس آکر کرلوں گا۔

جوزلیفائن۔ اگر اس وقت تک زندہ رہی تو میں بھی آپ کا وعدہ سنوں گی۔

تمام شد

حصہ دوم